

نازیہ کفول نازی

ترکے کھلے



WWW.PAKSOCIETY.COM

FIAZ AHMED

مازیہ کفیل نازی

ترے کسارے

مجھے کنارے کی کب تمنا
تجھے ہے دریا کے پار جانا
بچھے دریا کی سرخ موجیں بتا رہی ہیں
خراج مائلے گا پھر سے دریا
جو میری بات تو ایسا کر لو مجھے شریک سفر بنا لو
خراج مائلے جو تم سے دریا
مجھے بھنور میں مار جانا
تیرا ضروری ہے پار جانا۔

پتا چلا کہ جناب اپنے آفس کی طرف سے شہر سے باہر
گئے ہوئے ہیں اور یہ کہ رات دیر سے گھر واپس لو میں
گئے تب مجبوراً انتظار سے تھک کر سوتا پڑا۔
"لو۔ اگر مجھے خبر ہوتی کہ محترمہ بنا اطلاع کے
میرے گھر تشریف فرما ہیں تو یقیناً جلدی آجاتا یا
رات میں ہی نیند سے اٹھا لیتا۔ مگر۔ چلو خیر اب تو
اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا ہوں میں۔ اب کیا ارادے ہیں
تمہارے۔"

وہ ابھی ابھی صبح کی سیر سے واپس لوٹا تھا! فضا میں

محلِ ناول

چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عجب وہ کو بے ساختہ نگاہ
چرائی پڑی۔
"سوید۔"

"جی جان سوید۔" وہ اس کے چہرے پر واضح
اضطراب کی کمانی بڑھ رہا تھا۔
عجب وہ کی آنکھیں پل میں آنسوؤں سے بھر
آئیں۔

"کیا تم نہیں جانتے کہ اس وقت تمہارے گھر میں
کیا چل رہا ہے؟"

"جانتا ہوں، مگر یہ نئی بات نہیں ہے میرے لیے،
بچپن سے اب تک یہی ماحول دیکھتے بڑا ہوا ہوں۔ تم
منیشن مت لو۔"

"میں چاہم۔ تم اس طوفان سے باخبر نہیں ہو، جو
کسی بھی وقت آ سکتا ہے۔ میں جانتی ہوں رو حیل

خنکی پچھلے دنوں کی نسبت زیادہ تھی۔ عجب وہ نے کشادہ
برآمدے کے چھو کوں سے اسے دیکھا۔ پھر فوراً "وہ بے
پاؤں اس کے پیچھے آتے ہوئے اس نے اپنے سر و ہاتھ
اس کی آنکھوں پر رکھ دیے۔"

"بو جھو تو جانیں۔" ذرا سا آگے کو جھکتے ہوئے وہ
شرارت سے مسکرائی تھی۔ سوید آذر نے جواباً اس
کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیے۔

"بیہ۔" تانہ مسکراہٹ اس کے لبوں پر بھی
تھی۔ عجب وہ احساسِ قفاخر سے مسکرا دی۔

"دکب آئیں؟" اگلے ہی پل وہ اس کے ہاتھ چھوڑ
کر ذرا سا جھکتے ہوئے اپنے پاؤں کو بوتلوں کی قید سے
آزاد کر رہا تھا۔ عجب وہ کن آنکھوں سے اس کی طرف
دیکھتے ہوئے اس کے مقناش بیٹھ گئی۔

"رات عشاء کی نماز کے بعد آئی تھی مگر سماں آکر

انگل کو وہ ضد کے بست پئے ہیں میں کچھ بھی غلط نہیں چاہتی۔ مجھ جیسی سو عبور امیں میرے چاند پر قربان۔

اس بار وہ رو پڑی تھی۔ سوید آذر نے لب بھیج کر رخ پھیر لیا۔

”تم بھول رہی ہو عبور کہ میں بھی انہی کا بیٹا ہوں۔ اگر وہ ضدی ہیں تو میری ضدی فطرت کا اندازہ بھی تمہیں باخوبی ہونا چاہیے۔“

”مجھے اندازہ ہے۔ مگر میں کسی بھی طور سے تمہارا نقصان نہیں چاہتی سوید! میں تمہیں اذیت میں نہیں دیکھ سکتی۔ تم نہیں جانتے یہ لوگ تمہارے ساتھ کیا کر سکتے ہیں۔ میں مزید خالہ امی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی سوید! مجھ سے یہ اذیت برداشت نہیں ہو رہی۔“ اس کے آنسو پھر شدت سے بہنے لگے تھے۔

”ہوں۔ ساری عمر کی اذیت سمیٹنے کا کہہ کر یہ تو مت کو عبور کہ تم مجھے اذیت میں نہیں دیکھ سکتیں اور جہاں تک امی کی بات سے تو وہ بھی نہیں چاہتیں کہ ان کا اکھوتا زین و فطین بیٹا ایک پاگل لڑکی سے شادی کر کے جیتا جی مر جائے۔ کوئی ماں ایسا نہیں چاہ سکتی۔ وہ صرف مجبور ہیں اور میں اپنی زندگی ان کی مجبوری پر قربان نہیں کر سکتا۔“ سوید کالجہ اٹل تھا عبور اپنے آنسو لی کر رہ گئی۔

”تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے سوید! یہ لوگ تم سے تمہارا سب کچھ چھین لیں گے۔ نکال دیں گے تمہیں اس گھر سے اور تم جانتے ہو اگر ایسا ہوا تو خالہ امی ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکیں گی۔ پھر کیا کرو گے تم؟ کہاں سے لاؤ گے اپنی ماما۔ زندگی میں لڑکیاں بست ل جاتی ہیں چاند۔ مائیں نہیں بنتیں۔“

بھرائے لہجے میں کما عبور کا یہ جملہ سوید کے دل پر گھونسنے کی طرح لگا تھا۔

”مجھے جذباتی بلیک میل مت کرو عبور! پہلے ہی

بست ڈسٹرب ہوں میں اور تو شکستہ مت کرو یہاں یہ سب لوگ تم تھے کہ تم بھی۔“ دکھ سے اس کا گلا رندہ گیا تھا۔ عبور کا سر پھر جھٹک گیا۔

”شکستہ پانی تو نہیں کرنا چاہتی میں تمہیں۔ اسی لیے تو دیکھو خود اپنا دل ہولناں کر کے تمہیں کسی اور کی رفاقت کے لیے مجبور کرنے چلی آئی۔ تم کیا سمجھتے ہو سوید! کیا مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا؟ میں جو اتنی بچی ہوں تمہارے معاملے میں کہ ہوا کا تمہیں چھوٹا بھی برداشت نہیں ہوتا مجھ سے کیسے کسی دل سے تمہیں کسی اور کا ہونے کو کہہ رہی ہوں کیا تم نہیں سمجھ سکتے؟ تم صرف میری محبت نہیں ہو سوید۔ میری دھڑکن، میرا ایمان، میرا سکون، میری کل کائنات ہو تم۔ بست جذباتی ہوں تمہاری محبت کے معاملے میں میں۔“

مگر میں خالہ امی سے بھی بست پیار کرتی ہوں سوید۔ میری وجہ سے ان کی جان چلی جائے، مجھے مگر کبھی یہ بات گوارہ نہیں ہو سکتی وہ میری خالہ نہیں ماں ہیں سوید ایک حقیقی ماں بن کر ہی پالا ہے انہوں نے مجھے، ان کے آنسوؤں پر میں اپنی محبت ڈالیا سارا جہان وار دوں پھر بھی تم ہے اور پھر انہوں نے ہی مجھے بتایا ہے وہ لڑکی قطعی اپنے ہوش و حواس میں نہیں رہتی سمجھو نول پاگل ہے تمہارے تو قریب بھی نہیں پہنچے گی۔ یہ شادی صرف دکھلاؤ! ہو گا سوید۔ اور کچھ نہیں۔“

وہ شاید قسم کھا کر آئی تھی کہ اسے قائل کر کے رہے گی۔ سوید اندر سے سسار ہوتا بچی سے مسکرا دیا۔ ”تو تم یہ طے کر کے آئی ہو کہ مجھے ہر اکر رہو گی۔“

”نہیں۔ تمہیں ہر اکر ہوا ہی تو نہیں دیکھنا چاہتی میں۔ اسی لیے تو شیر کر رہی ہوں۔“

”نہیک سے مگر ایک شرط پر ہتھیار پھینکوں گا میں۔“ اس بار گہری سانس بوجھل فضا کے سپرد کرتے ہوئے اس نے عبور کا دل دھڑکایا تھا۔

”کیسی شرط۔“

”بست انہونی نہیں ہے۔ میری زندگی کسی اور کے ساتھ شروع ہونے سے پہلے تم مجھ سے نکاح کرو گی۔ میری بچی بیوی تم بنو گی اگر منظور ہے تو نہیک ہے میں بابا کی بات مان لیتا ہوں اگر نہیں تو پھر ہونے دو جو ہوتا ہے میں کسی کی کوئی بات نہیں مان رہا۔“ وہ ضدی تھا مگر عبور کی محبت میں قلعہ تھا۔ بھی اس کی آنکھیں پھر بڑبڑائیں۔

”نہیک ہے۔ مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔“ ”تو نہیک سے پھر جا کر کہہ دو ان لوگوں سے اندر کہ میں قربانی کے لیے تیار ہوں، نہیں جو اوزار تیز کرنے ہیں کر لیں۔“

اس بار سرعت سے اپنی بات مکمل کرتا وہ پھر وہاں ٹھہر نہیں تھا۔

عبور سختی سے آنکھیں میچ کر مزید بہہ آنے والے آنسوؤں کو چٹتی پھر کتنی ہی دیر وہاں بیٹھی روٹی رہی زندگی کبھی ایسے کسی امتحان سے دو چار کرے گی اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

”مومی۔ آذر بھیا آئے ہیں کیا نہیں ملو گی؟“ وہ لان میں بیٹھی تھوپی سے ایک ایک پھول اٹھا کر اسے پتی پتی کر رہی تھی جب مریم عباس اس کے قریب چلی آئی اس کا سر بست آہستگی سے نفی میں ہلا تھا۔

”نہیں۔“

”کیوں؟ کہاں تو ایک ایک پل ان کی آواز سننے کو پاگل ہوتی رہتی تھیں اور کہاں اب وہ اپس لوٹ آئے ہیں تو ماما ہی گوارہ نہیں خیر تو ہے۔“

مریم کو اس کے نہیں نے خیر ان کیا تھا وہ بے زار بے زار سی اس کے قریب سے اٹھ گئی۔

”وہ بست بدل گیا ہے مریم۔ اب اس میں دوپانچ سال سننے والی کوئی بات نہیں رہی۔“ ”تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو؟“

”میں نے اسے دیکھا ہے مریم۔ اسے قرۃ العین کے سوا دنیا میں دوسری کوئی چیز دکھائی ہی نہیں دیتی۔ پانچ سال میں یہاں۔ اس کے لیے پل پل تڑپا ہوں، مگر وہ ٹھنڈی بے حس شخص۔ اس نے ایک بار بھی تم سے یا کسی اور سے میرا نہیں پوچھا۔ اسے اپنی زندگی میں میرے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا مریم۔“

وہ آذر وہ بھی۔ مریم جیسے سے مسکرا دی۔ ”پاگل ہو تم اور کچھ نہیں ایک طرف جنونی محبت کا دعو اور دوسری طرف ایسی شدید نگہانی۔ ہائے کیا بنے گا میرے اکھوتے بھائی کا۔“ اس کے مصنوعی آہ بھرنے پر وہ چڑی تھی۔

”محبت تو میں کرتی ہوں نایار۔ وہ تھوڑی محبت کرتا ہے مجھ سے۔“

”وہ بھی کرنے لگیں گے کوشش جاری رکھو۔ قطرہ قطرہ پانی سے سنا ہے پتھر میں بھی شگاف پڑ جاتا ہے۔“

”تمہارا بھائی پتھر سے بھی بڑھ کر بے اچھا۔“ ”ہاں! ہاں! میں تو تمہارے لیے صرف دعا ہی کر سکتی ہوں آگے تمہارا نصیب۔“ مریم ہنسی تھی مومی تب کہ ہاتھ میں پکڑے پھول کی پتیاں اس پر غصے سے اچھالتے ہوئے وہاں سے رخصت ہو گئی جبکہ اوپر اپنے کمرے کے شیش پر کھڑا آذر عباس اس کی اس حرکت

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے فائرہ افکار کے 4 خوبصورت ناول

آئینوں کا شہر	قیمت 500/- روپے
بہول مسلمان بیری کیاں	قیمت 500/- روپے
یہ کیاں بڑا ہے	قیمت 300/- روپے
بھلاں دے دنگ ہزار	قیمت 200/- روپے

ناول نمونے کے لئے فی کتاب ڈاک خرچ 45/- روپے نمونہ ۲۴۰
مکتبہ رحمان ڈائجسٹ 37 - اردو بازار کراچی۔ فون نمبر 32735021

پر نرمی سے مسکرایا۔

عبیدہ دن سے اٹھ کر اپنے کمرے میں واپس آئی تو اس کے سارے جسم میں درد کی لہریں سرخ رہی تھیں۔ آنکھیں یوں جل رہی تھیں گویا پچھلی دیوڑھی میں ان سے لپونے لگا۔

وہ صبح اٹھنے کے بعد اس کی ماں لخصیلہ بی بی سے ملنے آئی تھیں۔ اسے یاد آنے لگا تھا کہ جب وہ صرف چھ سال کی تھی تو اس کے محبوب بابا کی رحلت ہو گئی تھی جس کے بعد اس کی ماں لخصیلہ بی بی اسے ساتھ لے کر اپنے آبائی گاؤں اپنی بیوی بن کے پاس چلی آئی تھیں۔ سوید ان کی اسی بیوی بن راحیلہ بی بی کا اکلوتا بیٹا تھا جس میں ان کی جان تھی۔

سوید کے بابا راحیل جعفری اس کی ماں راحیلہ بی بی اور خالہ لخصیلہ بی بی کے فرسٹ کزن تھے۔ شروع سے ہی راحیل جعفری کی ماں راحیلہ بی بی اور لخصیلہ بی بی کی ماں پر حاوی رہی تھی کیونکہ وہ اس خاندان کی پستی چو تھیں اور بے حد ہوشیار تھیں جبکہ راحیلہ بی بی کی ماں سیدھی سادی حساس دل و دماغ کی مالک عام سی خاتون تھیں باطنی چالاکی کے ساتھ ساتھ وہ حسن و صورت میں بھی اپنی دیورانی پر بھاری تھیں یہی وجہ تھی کہ حویلی میں برسوں تک راحیل جعفری کی ماں کا راج ہی رہا سوئے پر سنا کہ قدرت اولاد کے معاملے میں بھی ان پر مہربان رہی وہ نگاہ چار بیٹوں کی ماں بنی تھیں جبکہ راحیلہ بی بی کی ماں نے سنے دو بیٹیوں راحیلہ بی بی اور لخصیلہ بی بی کو جننے کے بعد ایک بیٹے کو جنم دیا جو عین جوانی کے عالم میں زمینوں اور جائیداد کے مسئلے پر اپنے باپ کے ساتھ راحیل جعفری کے بڑے بھائی سہیل جعفری کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

راحیلہ بی بی ان دنوں پورے خاندان سے نکر لے کر شہر میں پڑھ رہی تھیں۔ اکلوتے بھائی اور باپ کی ایندھن تک موت کی خبر ان پر بجلی بن کر گری تھی۔ وہ اپنی تعلیم اور حوری چھوڑ کر فی الفور گاؤں واپس آئی

تھیں جہاں ان کے گھر جیسے کمرہ پاتلا۔ سارا گاؤں قاتل کو چاہتا تھا کہ ان کے شر سے خوف نہ ہو کر کسی نے بھی زبان نہ کھولی اور راحیلہ بی بی بس سی غم و غصہ پی کر رہ گئیں۔

اپنے تیار زانو سہیل جعفری کے ساتھ ساتھ انہیں ان کے بقیہ تینوں بھائیوں سے بھی شدید نفرت تھی اور یہ نفرت اس وقت مزید دوچند ہو گئی جب ان کی ماں ایک صحیح چپ چاپ اپنے سرایوں کے مظالم کے دیکھ سنے سے لگائے دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ ابھی یہ درد بھی تازہ تھا کہ اس کی نفرت اور خود سری کو ضد بناتے ہوئے راحیل جعفری نے ان سے شادی کا شو شاپ چھوڑ دیا۔ راحیلہ بی بی اس شادی کے لیے کسی طور تیار نہ تھیں مگر وہ پنجرے میں قید پنچھی کی مانند محض پنچر پھرا کر رہ گئیں۔ ان کی نفرت کو اپنی ضد بناتے ہوئے راحیل جعفری نے ان سے شادی تو کر لی مگر انہیں بیوی کی حیثیت سے بھی تسلیم نہ کیا وہ عورت جو تانگی کے روپ میں انہیں زہر لگتی تھی اب ساس بن کر مزید قہر چاہتے تھے لیکن چند دنوں میں انہیں اور جس سالی طور پر انہیں پنچر یوں مار چر کیا گیا کہ وہ جو شعلہ جوالہ تھیں بجھ کر رہ گئیں۔ دورے پڑنے لگے اور جسم بڑیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گیا، لخصیلہ بی بی جو راحیل جعفری سے چھوٹے عقیل جعفری کی جنوں خیز محبت سے ہار گئی تھیں یہاں اس مقام پر آکر ان سے شادی سے انکاری ہو گئیں کہ اپنی بیوی بن کو مزید دکھ سے ہمکنار کرنا انہیں کسی طور گوارہ نہیں تھا۔

حویلی میں واحد عقیل جعفری تھا جو روایتی جاگیردار ثابت نہیں ہوا تھا بلکہ لخصیلہ بی بی کی غیر متوقع بے وفائی کے بعد وہ گاؤں کو گیا ملک چھوڑ کر بی بی چاہ گیا۔ کتنے عرصے کتنے پان دنوں کی زندگی کے بیچ اور حور سے رہ گئے تھے نفرتوں کے سلسلوں کو محبت کی بارش سے دھونے کا ان کا عظم بس عظم ہی رہ گیا۔ اور لخصیلہ بی بی اسی گاؤں میں نمبردار کے بیٹے کی دوسری بیوی بن گئیں۔

سوید ان دنوں محض چار سال کا تھا اور سارا سارا دن عقیل جعفری کو یاد کر کے "چاچو۔ چاچو۔" کہتا

156

دنیا بھر سے منتخب معیاری ادب

عمران ڈائجسٹ

Email: id@khawateendigest.com

فروری 2011
کے شہر کی ایک جگہ



بے سحررات کے مسافر

اس کہانی میں ایک بے سحررات کا سفر ہے۔ وہ ایک عورت کی زندگی کا سفر ہے۔

سحر زادی

سحر زادی کی زندگی بے سحررات ہے۔ وہ ایک عورت کی زندگی کا سفر ہے۔

کارواں

کارواں کی زندگی بے سحررات ہے۔ وہ ایک عورت کی زندگی کا سفر ہے۔

جانور

جانور کی زندگی بے سحررات ہے۔ وہ ایک عورت کی زندگی کا سفر ہے۔

احمد صہبہ

غلط نمبر

غلط نمبر کی زندگی بے سحررات ہے۔ وہ ایک عورت کی زندگی کا سفر ہے۔

قہرے آنکھ میں

قہرے آنکھ میں کی زندگی بے سحررات ہے۔ وہ ایک عورت کی زندگی کا سفر ہے۔

کی سحر زادی

کی سحر زادی کی زندگی بے سحررات ہے۔ وہ ایک عورت کی زندگی کا سفر ہے۔

کی سحر زادی

کی سحر زادی کی زندگی بے سحررات ہے۔ وہ ایک عورت کی زندگی کا سفر ہے۔

کی سحر زادی

کی سحر زادی کی زندگی بے سحررات ہے۔ وہ ایک عورت کی زندگی کا سفر ہے۔

کی سحر زادی

کی سحر زادی کی زندگی بے سحررات ہے۔ وہ ایک عورت کی زندگی کا سفر ہے۔

کی سحر زادی

کی سحر زادی کی زندگی بے سحررات ہے۔ وہ ایک عورت کی زندگی کا سفر ہے۔

کی سحر زادی

کی سحر زادی کی زندگی بے سحررات ہے۔ وہ ایک عورت کی زندگی کا سفر ہے۔

کی سحر زادی

روتا رہتا تھا جو شفقت اسے باپ سے ملنی تھی وہ چچا نے دی۔ مگر زیادہ عرصہ یہ شفقت بھی اس کا نصیب نہ رہ سکی اور وہ پھر سے محرومیوں کی گود میں آگرا۔

جن دنوں لخصیلہ بی بی کی گود میں عبیدہ آئی انہیں حویلی سے عقیل جعفری کے بیرون ملک نکال دی گئی تھی اور وہ کسی حد تک مطمئن ہو گئیں چار سالہ سنے سوید کے ذہن سے عقیل کا تصور بھی نکل گیا۔ البتہ وہ عبیدہ کو پا کر بہت مسرور تھا اس کا بس نہ چل تھا کہ عبیدہ سارے دن اس کی بانسوں میں کھیلنے کے بعد رات کو بھی اسی کے پاس سوئے۔

اس کی یہ خواہش پوری ہوئی تھی مگر پورے چھ سال بعد۔ جب لخصیلہ بی بی پر شوہر کی ناگہانی اجانگ موت نے فاج کا ٹھیک کر دیا اور وہ زندہ لاش بن کر محض بستر کی ہو رہیں۔ ایسے میں راحیلہ بی بی نے ہی تمام تر مشکلات اور اذیتوں کا سامنا کرتے ہوئے نہ صرف ان کی دیکھ بھال کی بلکہ عبیدہ کو بھی سنبھالا وہ بستر ایک طرف بیٹے کو ساتھ لے کر سوئیں تو وہ ساری طرف عبیدہ کو دیکھتے۔

دن، ہفتوں، مہینوں اور سالوں کا روپ دھارتے وقت کا حصہ بنتے چلے گئے اور سوید عبیدہ کے ساتھ بچپن کی دلیلیں سے نکل کر جوانی کی شاہراہ پر اکھڑا ہوا دونوں کو خبر بھی نہ ہو سکی اور محبت ان دونوں کے بیچ جیسے نیچے گاڑ کر بیٹھ گئی۔

کتنی یادیں تھیں جو اس محبت سے وابستہ تھیں کتنے ایسے واقعات اور باتیں تھیں جو ان کی چاہت کی گواہ بنی تھیں۔ وہ اس کے مزاج کے ہر موسم کی آشنا تھی اور سوید اسے تو زندگی کا ہر رنگ نظر ہی اس کی خوب صورت آنکھوں میں آتا تھا۔

بست سے بچان تھے جو بن کے دونوں کے بیچ بندھ گئے تھے اور بست سی ذمہ داریاں تھیں جو دونوں نے خود بہ خود اپنے ذمہ لے لی تھیں۔

عبیدہ وہ رہ کر اس وقت کو کوس رہی تھی جب تین روز قبل شام میں وہ ہوٹل سے گھر آئی تھی۔ شہر میں ان کا مکان تعمیر پا چکا تھا اور آٹھ سے زیادہ سالان بھی

157

نے گھر میں شفٹ کیا جا چکا تھا جب اچانک راحیل جعفری نے نیا شوٹا چھوڑ دیا۔ ان کے فرمان کے مطابق ان کے لڑکے بھائی عقیل جعفری اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی کے لیے راحیل جعفری اور ان کے اکلوتے بیٹے سوید سے درخواست گزار تھے۔ یہ خبر کسی طرح ہنسم ہوئی جاتی کہ سوید کو یہ پتا چل گیا کہ عقیل جعفری ان کے امیر کبیر لاڈلے چچا اپنی جس اکلوتی بیٹی کی شادی اس کے ساتھ کرنا چاہ رہے ہیں وہ پاگل ہے اور کوئی بھی شخص اسے اپنانے کو تیار نہیں۔

راحیل جعفری نے بھائی کی محبت اور بڑے بھائی سہیل جعفری کے دباؤ میں بنا کسی سے بات کیے نام صرف یہ رشتے طے کر دیا بلکہ شادی کی تاریخ بھی دے دی۔ عجب یہ خبر سن کر ہی ہوٹل سے گھر آئی تھی۔ جہاں اس وقت سوید کا پورا خاندان اسے گھیرے ہوئے بیٹھا تھا۔

وسیع حویلی کے کشادہ ہال کمرے میں جس وقت اس نے دلہن پر قدم دھرے سوید کے بابا راحیل جعفری کی کڑک آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرانی تھی۔

”مت بھولو پر خوردار کہ میں تمہارا باپ ہوں۔ بڑھا لکھا کر پالنے پوسنے اور ضرورت سے زیادہ لاڈ پیار و آزادی کا یہ مطلب نہیں کہ آج تمہا پر اپنی مرضی کے فیصلے مسلط کرو۔ مت بھولو کہ جسے تم مجھے عزیز ہو، اتنی ہی دل آویز بھی عزیز ہے وہ صرف عقیل کی نہیں میری بھی بیٹی ہے اگر کسی وجہ سے بیمار ہے تو اس میں اس پائل کا کیا قصور۔ مشکل اور معیبت میں اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں۔ بھری دنیا میں کوئی اور اس کا سہارا بنے نہ بنے تمہیں ضرور اس کا سہارا بننا ہے۔ بصورت دیگر تم یہ گھر اور اپنے والدین کو چھوڑ کر جا سکتے ہو میں یہ سمجھ لوں گا کہ عقیل اور سہیل بھائی کی طرح میرا بھی کوئی بیٹا تھا ہی نہیں۔“

”دھڑاک۔“ عجب وہ کونگا جیسے اس وقت ساتوں آسمان اس کے سر پر آکرے ہیں معاملہ اتنی شدید نوعیت کا ہو گا اس کے گلن میں بھی نہیں تھا۔ سوید وہاں سب کے سچ تھا اپنے لیے لڑ رہا تھا۔

راحیل بی اس کے قریب یوں سر جھکائے کھڑی تھیں جیسے کسی گھناؤنے جرم کی مجرم ہوں جبکہ سامنے کے صوفے پر راحیل جعفری، عقیل جعفری اور اس کی ماؤرن سی ٹی ویس ٹیکم براجمان تھے دائیں طرف دھرے پٹنگ پر سہیل جعفری اور اس کی بیوی بیٹھی تھی۔ سوید اپنے باپ کی بات پر تپ کر اٹھا تھا۔

”ہونہ۔“ آپ سے امید بھی یہی رکھی جاسکتی ہے۔ کبھی باپ بن کر بیٹے کو پالا ہوتا تو آج یوں اتنی آسانی سے یہ بات نہیں کہہ سکتے تھے آپ کیا سوچ کر حق بتا رہے ہیں مجھ پر۔ میں آپ کی نوازشوں کا محتاج نہیں ہوں۔ میرے اور میری ماں کے جیسے میں صدا قرتیا ہے آپ کا۔ آپ کی نوازشیں تو سدا اپنے بھائیوں اور ان کی بیویوں پر رہی ہیں پھر اب یہ خوش فہمی کیوں لاحق ہو گئی آپ کو کہ میں آپ کی خواہش کا احترام کروں۔ سوئی والد محترم یہ دنیا کچھ لو اور کچھ دے کے اصول پر چلتی ہے میری ماں بے شک آپ کی جیتی ہوئی جنگ ہوں گی مگر میں آپ کا منہ جھکاؤ نہیں ہوں۔ میں نے اپنی زندگی منوارنے کے لیے کبھی آپ کی عنایتوں کی اس رکھی ہے میں آج جس مقام پر ہوں اپنی ماں کی دعاؤں اور محبتوں کے بعد اپنے بل بوتے پر ہوں۔ اس میں آپ کا کوئی مکمل نہیں ہے لہذا اس غلط فہمی کو دل سے نکال دیجیے کہ میں یہاں سے نکل کر جی نہیں سکوں گا۔ میں بیوی کا اور جی کر دکھاؤں گا۔ آپ رکھیے اپنی دھن دولت اپنے پاس سنبھال کر۔“ وہ بھی انہی کا بیٹا تھا۔ راحیل جعفری اس کی اس قدر جرات پر دنگ رہ گئے تھے۔

”چنانچہ۔“ کی نوردار آواز پر جہاں راحیل بی تڑپ کر اٹھی تھیں وہیں عجب وہ کا ہاتھ بھی بے ساختہ اپنے دل پر رکھا تھا۔

”گستاخ بد زبان تمہاری ہمت کیسے ہوئی ہمارے سامنے زبان چلانے کی؟ کس نے ڈالیں تمہارے ذہن میں ایسی باغیانہ باتیں اور سوچ ہمارے خون سے جنم لے کر آج ہم کو یہی آنکھیں دکھا رہے ہو یہی سکھایا ہے تمہاری ماں اور تعلیم نے تمہیں۔“ راحیل

جعفری صاحب کے منہ سے کف برہ رہا تھا۔ ایسے میں عقیل جعفری فوراً اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

”بس کریں بھائی۔ اگر وہ راضی نہیں ہے تو زور زبردستی مت کریں۔ ایسے معاملے زور زبردستی سے زیادہ دیر نہیں چلتے دن تو بڑی قسمت میں اگر کوئی خوشی نکلی ہی نہیں تو بھلا میں اور آپ کیا کر سکتے ہیں؟ ان کے انداز میں شکستگی تھی۔ سوید جعفری نے منہ سے سر جھٹک دیا۔

”نہیں عقیل۔ میں نے تمہیں زبان دی ہے اب اس سے پھرنا میرے لیے موت کے مترادف ہے دیکھتا ہوں یہ کیسے نہیں کرتا دل آویز بیٹی سے شادی۔“ راحیل صاحب کی بھائی سے محبت اور واضح چیلنج پر سوید پاؤں پٹختے ہوئے وہاں سے واک آؤٹ کر گیا تھا جبکہ عجب وہ کونگا جیسے اس کا وجود پتھر کا ہو گیا ہو۔ اس وقت اسے مزید۔ کچھ دکھائی دے رہا تھا نہ سنائی دے رہا تھا عجب قیامت بڑی تھی دل پر کہ وہ سسکی بھی نہ نکال سکی! اسی رات سوید نے کسی کو تالے کھچھوڑ کر چلا گیا تھا اور اسی رات راحیل بھی بارٹ انٹک کا شکار ہو کر بمشکل منتوں اور دعاؤں سے زندگی کی طرف واپس لوٹی تھیں۔

سوید اس موقع حادثے پر فوراً گھر تو واپس لوٹ آیا تھا مگر اس نے ہتھیار نہیں چھینکے تھے۔ راحیل جعفری صاحب سے مکمل خفا وہ پورا ایک ہفتہ سب سے لڑا تھا مگر۔ بلا آخر عجب وہ نے اسے ہار ماننے پر مجبور کر ہی ڈالا تھا۔ اس رات وہ روئی تھی اور اتنا روئی تھی کہ صبح اس کا پورا وجود تیز بخار میں جل رہا تھا۔ اپنی ماں اور خالہ کی محبت میں مجبور ہو کر اس نے اپنا پیار قربان کرنے کا حوصلہ کر لیا تھا مگر اب جوں جوں وقت گزر رہا تھا۔ اسے جیسے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔



خفت گرمی کی چلچلاتی دھوپ میں جس وقت اسے سوید کی بائیک کا بارن سنائی دیا وہ بے کل سی لب کٹ کر رہ گئی۔ ساری رات آنکھوں میں کانٹے کے بعد

بھی اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ سوید بارن۔ بارن دے رہا تھا۔ وہ بہت مجبور ہو کر اس کی طرف بڑھی تھی۔

”بیٹھو۔“ کانچ کیٹ سے نکل کر جوئی وہ اس کی طرف بڑھی اس نے فوراً حکم صادر کر دیا۔ عجب وہ نے دیکھا اس وقت وہ سخت تباؤ کا شکار دکھائی دے رہا تھا۔ جیسی وہ منٹائی تھی۔

”سوید۔ اتنی ایم سوری میں ایسا نہیں کر سکتی یہ صحیح نہیں ہے۔“

”تو ٹھیک ہے پھر میں بھی کسی صورت وہ نہیں کر رہا جو صحیح ہے۔“ وہ لب پٹختے کہہ رہا تھا۔ عجب وہ کو آؤ گیا۔

”تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔“

”چپ چاپ بیٹھ جاؤ عجب وہ۔ سڑک پر تماشا مت بناؤ پلیز۔“

”سوید تم۔“

”بیٹھتی ہو کہ زبردستی پکڑ کر بٹھاؤں۔“ اب کے وہ غصے ہوا تھا۔ عجب وہ بے بسی سے ایک نظرا سے دیکھتی چپ چاپ بیٹھ گئی۔ اگلے تیس منٹ میں وہ اپنے کسی جاننے والے وکیل کے پاس بیٹھا اسے سارا احوال سن رہا تھا۔ عجب وہ اس دوران خاموش بیٹھی اپنی شور مچاتی دھڑکنوں کو سنبھالنے اور سمجھنے کی کوشش کرتی رہی تھی! کچھ ہی دیر میں وہ سوید کے ساتھ کورٹ میں کھڑی تھی اور اگلے چند لمحوں میں کچھ ضروری کاغذات پر چند دستخط تھمٹ دینے کے بعد وہ عجب وہ شیرازی سے عجب وہ سوید ہو گئی! ناٹوں کے ساتھ ساتھ اس وقت اس کی انگلیاں بھی کاتپ رہی تھیں۔ مگر سوید کی محبت اور گرم ہاتھوں کی حرارت نے اسے حوصلہ دیا تھا۔ وہ خوش تھا بے حد خوش۔ ساتھ ہی اس کے دوست بھی خوش تھے۔

کورٹ سے رخصتی کے بعد جب وہ اسے اپنے ایک دوست کے گھر لے کر آیا تو اس کا چوہی خوشی سے تھم رہا تھا۔ والٹ میں موجود سارے پیسے اس نے

کورٹ اور دوستوں میں مٹھائی کے لیے ہاتھ دیے تھے عبیدہ بس اسے دیکھتی رہ گئی۔

”تھینکس۔۔۔ تھینکس میری جان کہ تم نے مجھے محبت کی اس پرکھن راہ پر بے آسرا تنہا بٹکنے کے لیے نہیں چھوڑا میں بہت خوش ہوں عبیدہ! اتنا کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتیں اور ہاں آج سے میرا وعدہ ہے تم سے۔۔۔ بیوی ہونے کا حق میں صرف اور صرف تمہیں دوں گا اس باگل سے شادی کاغذی کڑھائی کے سوا اور کچھ نہیں ہوگی جیسے ہی حالات ہمارے حق میں ہوں میں وہ کاغذی بندھن توڑ دوں گا میرے بچے اگر دنیا میں آئیں گے تو صرف تمہارے بطن سے سمجھیں۔“

بگر جگر چمکتی روشن سیاہ آنکھوں میں اس کے لیے محبت ہی محبت تھی عبیدہ نے پرسکون ہو کر اپنا سر اس کے کندھے پر نکا دیا۔ سوید کی نرم گداز انگلیاں جانے کتنے دیر تک اس کے سائی باہوں کو سلاتے ہوئے اس پہ عجیب سا سحر طاری کرتی رہی تھیں۔

آزاد یزدار عباس حال ہی میں اپنی تعلیم مکمل کر کے پاکستان اپنے گھر واپس لوٹا تھا۔ عمر میں وہ مومی اور مریم سے پورے پانچ سال بڑا تھا۔ اس سے دو سال بڑا یا سر یزدار عباس تھا جس نے لندن میں ہی اپنے والد کی رحلت کے بعد ان کے کاروبار کو سنبھال لیا تھا۔ مومی ان کی اکلوتی خالہ زاد کزن تھی جس کے نازک سراپے اور بے جالاؤ پیار کے باعث انہی کی ماما آسیہ بیگم نے اس کا نام پیار سے مومی رکھ دیا تھا۔

آزاد کو یاد تھا جب وہ لوگ چھوٹے تھے تو دن بھر معمولی معمولی سی باتوں پر کتنا لڑتے تھے۔ وہ غصے ہو کر اگر اس کے بال چھینتا تھا تو مومی غضب ناک ہو کر اپنے دانت اس کے بازو میں گاڑ دیا کرتی، کبھی کبھی وہ اپنی شدت سے بازو کاٹی تھی کہ وہیں زخم بن جاتا تھا۔ اب بھی اس کے بائیں بازو پر مومی کے دانتوں کے نشان زخم کی صورت رقم تھے، تاہم وقت کے ساتھ ساتھ

اب ان زخموں پر کھربڑا گیا تھا۔

مومی اور مریم نے میٹرک تک اسی کی درگاہ میں تعلیمی مدارج طے کیے تھے یہی وجہ تھی کہ۔۔۔ بھنگڑوں کے باوجود وہ اسکول میں ان دونوں کا خاص خیال رکھتا تھا۔ میٹرک کے بعد مومی کے والدین نے اچانک پاکستان واپسی کا فیصلہ کیا تو وہ بے قرار ہو گئی۔ مریم اور آزاد کے بغیر کہیں رہنے کا خیال ہی اس کے لیے سوہان روح تھا یہی وجہ تھی کہ اس نے وہیں رہ کر مزید پڑھنے کی ضد کر لی، آزاد کو اس کی اس ضد کا پتا چلا تو وہ بے حد حیران ہوا، کہاں تو ان کی لڑائیاں ہی ختم نہیں ہوتی تھیں اور کہاں اب وہ موم کی گڑیا اس کے لیے رو کر بے حال ہو رہی تھی۔

اپنی اسی حیرانی کو دور کرنے کے لیے وہ اس کے کمرے میں اس کی ضد کی وجہ پوچھنے کے لیے آیا تھا، جب وہ مسل مسل کر آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولی۔

”آف۔۔۔ تمہارے بغیر پاکستان میں میرا دل نہیں لگے گا۔“

”وام۔ کہہ تو ایسے رہی ہو جیسے پتا نہیں کتنی گہری دوستی ہو ہماری، جنگلی ملی تم تو کل کو شادی کے لیے بھی بونسی اڑ جاؤ گی کہ مجھے تو آزاد سے ہی شادی کروانی ہے کسی اور کے ساتھ میرا دل نہیں لگے گا۔“

”ہاں تو اور کیا شادی بھی تم سے ہی کرنی ہے مجھے اور کسی سے نہیں۔“

”جی نہیں محترمہ۔۔۔ معاف کرو مجھے میں باز آیا ساری عمر کے لیے یہ مصیبت مول لینے۔“

”کیا میں مصیبت ہوں؟“

مومی کو اس کے صاف جواب پر سخت صدمہ ہوا تھا وہ گفتگو سے مسکرا دیا۔

”اور نہیں تو کیا۔۔۔ پوری چیزیں ہو جنگلی ملی۔“

”تم خود ہو گے جنگلی بے اچھا خبردار جو دوبارہ مجھ سے بات کی تو۔۔۔ میں جا رہی ہوں پاکستان اپنے دو حیال والوں کے پاس تم رہنا یہاں اپنی بیٹی بننے کے ساتھ خوش و غرم۔“ اس کی توقع کے عین مطابق وہ

چڑی تھی اور آزاد بے ساختہ ہنس دیا تھا۔ پھر اس کے بعد وہ اس کے لاکھ روکنے اور منانے کے باوجود اپنے والدین کے ساتھ پاکستان چلی آئی تھی جبکہ آزاد عباس اس کی اس ضد پر کڑھتا رہ گیا تھا۔

مومی کے بغیر لندن جیسے خوب صورت ایڈوانس شہر میں اس کے پانچ سال بہت اداس گزرے تھے، ایک طرح سے اسے مومی کو چڑانے، رالانے اور پھر منانے کی عادت پڑ گئی تھی، اسے اشتعال ولا کر پھر اس کا جارحانہ روپ دیکھنا بہت لطف دیتا تھا اسے، مگر وہ اس کی وجہ سے اس نے کبھی اس پر یہ بات کھلنے نہیں دی تھی۔ وہ پاکستان سے آئی اس کی مہلک کا جواب بھی نہیں دیتا تھا۔ قرۃ العین جو بروکن فیملی کی ٹوٹی پھوٹی سی سجدہ اڑتی تھی اور پوری کلاس میں اس کی واحد عزیز دوست تھی، اکثر اسے مومی کے حوالے سے چیخنی اور وہ کبھی ہنس کر بھی ڈانٹ کر اسے ٹال دیتا۔

اس کی فیملی، مومی لوگوں کے لندن سے کوچ کے ایک سال بعد ہی پاکستان شفٹ ہو گئی تھی مگر پاکستان نہیں آیا تھا۔ اپنی تعلیم مکمل کرنے تک وہ بیابان عباس کے ساتھ لندن میں ہی رہا تھا اور یہی وہ بات تھی جس نے مومی کو سب سے زیادہ ہرٹ کیا تھا۔

پورے پانچ سال بعد پاکستان واپسی پر یعنی بھی اس کے ہمراہ تھی۔ وہ پاکستان میں اس کے ساتھ مل کر بزنس اسٹارٹ کرنا چاہتی تھی اور آزاد کے لیے یہ خوشی کی بات تھی، تاہم اپنی واپسی پر شوق دید سے بے حال مومی کو جو بھر کر اور بھی پیاری ہو گئی تھی۔ اس نے جان بوجھ کر نظر انداز کیا تھا۔ ویسے بھی اس کی سوچ میں بہت میچورنی آئی تھی وہ اس سے پچھلے پانچ سال کی جدائی کا بدلہ اپنے ہی انداز میں لینے کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔

راحیلہ بی اور فضیلہ بی کو سوید آزاد کے کارنامے کی خبر ہو چکی تھی اور وہ دونوں اس پر بے حد مسرور تھیں۔ تاہم فضیلہ بی کے دل کو کچھ دوسرے ضرور گھیرے

ہوئے تھے۔ سوید عبیدہ کے ساتھ گھر واپس لوٹا تو وہ کتنی ہی دیر اس کا منہ چومتے ہوئے زار و قطار روتی رہی تھیں۔ وہ بد نصیب تھیں اپنا پیار نہیں پاسکی تھیں، تاہم ان کی بیٹی کے آنکھوں کے خواب ضرور تعبیر پائے تھے۔

دوسری جانب راحیلہ بی اپنی دلی تمنائی تکمیل کے لیے اپنے بیٹے کی حیرات اور جاذبہ حکمت عملی پر از حد مطمئن و مشکور تھیں ان کا دل اپنے سوہنے رب کا شکر ادا کرتا نہ تھک رہا تھا۔ حویلی میں دلی آویز جعفری سے سوید کی نکاح کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ تاہم اب انہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا وہ مسرور تھیں کہ ان کے دل نے جس لڑکی کو ہوس کے روپ میں دیکھنے کی خواہش کی تھی بلاخر پہلے وہی لڑکی ان کی اکلوتی ہوس کے منصب پر فائز ہو گئی تھی۔

اس روز دل آویز جعفری کے ساتھ سوید کے نکاح کی تقریب تھی۔ دل آویز کی خراب طبیعت کے پیش نظر شادی کی دیگر رسومات سے پرہیز کرتے ہوئے صرف نکاح کی تقریب ہی شایان شان طریقے سے ادا کرنے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ عبیدہ کو اس روز بالاکا بخار تھا سوید شہر میں تمام انتظامات کی دیکھ بھال کے بعد گاؤں واپس آیا تو راحیلہ بی سے مل کر سیدھا اس کی طرف چلا آیا۔ جو اس وقت مغرب کی نماز کی ادائیگی کے بعد جائے نماز پر بیٹھی چپ چاپ آنسو بہاتے ہوئے دعا مانگ رہی تھی۔

سوید ایک سرسری نگاہ اس کے بھیگے چہرے پر ڈالنے کے بعد کسی لالہ بانی بچے کی مانند اس کی گود میں سر رکھ کر زمین پر ہی لیٹ گیا۔ عبیدہ نے چونک کر فوراً سے پشخردعا سمیٹتے ہوئے آنسو پونچھے تھے جب سوید نے محبت سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

”لو مجھے ہی مانگ رہی تھیں نا اللہ نے میں آ گیا۔“

”مہربانی! مگر اٹھو یہاں سے۔“

”کیوں۔۔۔ کیوں اٹھوں۔۔۔ میری خالہ جانی کا گھر ہے اور محبوب بیوی کی گود ہے تمہیں کیا اعتراض ہے؟“

”پاکل ہو تم اور کچھ نہیں۔“ عبیدہ نے بے ساختہ نگاہ چراتے ہوئے اپنے آنسو اس سے چھپانا چاہے تھے جب وہ بولا۔

”رو کیوں رہی ہو عبیدہ۔؟ میں تو وہی کر رہا ہوں جو تم نے مجھ سے چاہا ہے، وگرنہ ایک پاکل لڑکی سے شادی میں بھلا میرا کیا انٹرسٹ ہو سکتا ہے خود سوچو میرے تو سارے جذبے صرف تم سے وابستہ ہیں۔ اس لیے آج رات تقریب میں تم میرے ساتھ ساتھ رہو کی سمجھیں؟“

”ہوں۔“ غم آنکھوں سے سر ہلاتے ہوئے وہ اسے بے حد پیاری لگی۔

”چلو شاباش اب یہ آنسو پونچھو نہیں تو میں ہونٹوں سے چنوں گا تو پھر تم شکایت کرو گی۔“ وہ پھر شرارت پر تادہ تھا۔ عبیدہ نے ہکا سامکا بنا کر اس کے چوڑے سینے پر رسید کر دیا۔

”زیادہ رو میٹس بگھارنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”ضرورت ہے یا میری ممانعت بے تالی سے اپنی گود میں میرے بچے کھلانے کی خواہشمند ہیں۔“ وہ کب باز آنے والا تھا عبیدہ اسے گھور کر رہ گئی۔

”تو میں نے ابھی ایسا کچھ نہیں کرنا۔“

”تو کی بچی آرام سے رہو۔ ضروری نہیں کہ ہر بار میں تمہاری مانتا رہوں گا، کبھی دل کے کسے پر بھی چلنے دیا کرو اپنا۔“

”اچھا جی اچھا۔ تمہیں تو اللہ سمجھے۔“ وہ اب بڑل ہو رہی تھی۔ سوید جان بوجھ کر اگلے تین چار لمحوں تک اسے یونہی رنج کرتا رہا۔

دل آویز جعفری سے سوید کی نکاح کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔

وہ شہریارات کے ساتھ روانہ ہونے سے پہلے پھر عبیدہ کی طرف اسے اور فضیلہ کی لینے آیا تھا۔ جب اسے سادہ سے کپڑوں میں بٹکا بچا نکا تیار دیکھ کر بے خود

سماں کے قریب چلا آیا۔

”بیہ۔۔۔“ وہ جو سنگھار میز کے سامنے کھڑی بال سنوار رہی تھی اس کی پکار پر پلٹی۔

”ہوں۔“

”بیہ۔۔۔ میں کسی دل آویز جعفری سے شادی نہیں کر رہا۔“

”کیوں۔۔۔؟“ اس کی قہر پر دھڑکتے دل کو بمشکل سنبھالتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔ مگر پھر سوید کی آنکھوں میں دیکھ کر فوراً ”نگاہ نہ کرائی۔“

”دلخ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔ اور کچھ نہیں۔“

”صحیح کہہ رہی ہو قسم سے۔ آج تو ٹھیک ٹھاک خراب ہو رہا ہے اک شعر سنو۔“

جس طرح میرا خواب ہے اس طرح تیرے ساتھ اک شام گزر جائے تو اک شام بت ہے اپنے گرم ماسوں سے عبیدہ کے چہرے کو چھوتے ہوئے اس نے سرگوشی کی تھی۔ جب وہ بولی۔

”عقل کو ہاتھ مارو سوید۔ وہاں صوب لوگ تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔“

”تو کرنے دو یا راس۔ تمہیں کیا مسئلہ ہے، اچھے بھلے موڈ کا بیڑا غرق کر کے رکھ دیتی ہوں بالکل اچھی بیوی نہیں ہو تم۔“ اپنی ٹھوڑی مزے سے اس کے کندھے پر نکاتے ہوئے اس نے دہائی دی تھی۔ جب وہ مسکرا دی۔

”چلو دوسری تو اچھی مل رہی ہے نا۔ اس سے پیار کرو الیٹا۔“ اس نے مذاق کیا تھا مگر سوید پر ایمان کر تب اٹھا۔

”مث اب۔“ تب کر سکتے ہوئے وہ فوراً ”کمرے سے نکل کر باہر گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا جبکہ عبیدہ ہنستے ہوئے فضیلہ کی کمرے کی طرف بڑھ گئی۔“

میں ج جال میں جس وقت وہ اپنے خاندان والوں کے درمیان گھر خود کو عقد ثانی کے لیے تیار کر رہا تھا، عبیدہ کی آنکھ کے آنسو اسے تڑپا گئے، ڈھیروں مہمانوں کے بیچ وہ اسے قریب بیٹھی جیسے اپنا ضبط

162

آزمانے کی کوشش کر رہی تھی۔

سوید سے رہانہ گیا تو اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا۔

”بیہ۔۔۔ تم رو رہی ہو؟“

”نہیں تو۔“

”جھوٹ مت بولو کچھ اگر تم راضی نہیں ہو تو میں ابھی۔۔۔“ وہ مضطرب تھا۔ عبیدہ آنسو چھپاتی زبردستی مسکرا دی۔

”پاکل مت بنو۔ میں ٹھیک ہوں جاؤ سب ادھر ہی دیکھ رہے ہیں۔“ اپنے ہاتھ اس کی گرفت سے نکالتے ہوئے اس نے بمشکل سوید کو پیچھے دھکیلا تھا، جس پر راضی صاحب جو اپنے کسی دوست سے باتوں میں ملن تھے، پہلو بدل کر رہ گئے تھے اندر کمرے میں دل آویز جعفری تامل ہوش و حواس سے بے گانہ پڑی تھی اور مسز فضیلہ کے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے

”آئی۔۔۔ میرا خیال ہے، ہمیں موی کو ابھی مزید کچھ وقت دینا چاہیے تھا۔“

”نہیں بیٹے۔ ڈاکٹرز کے مطابق اس کی فوری شادی بے حد ضروری ہے۔“

”اللہ سب بستر کرے گا مریم۔ تم کسی طرح اس کا ذہن اس طرف بناؤ پلیز۔“

”ٹھیک ہے میں کوشش کرتی ہوں۔“

تھکن اور ان دیکھے درد کی آمیزش نے اس کا لہجہ بھاری بن دیا تھا۔ مسز فضیلہ قدرے مطمئن سی کمرے سے نکل گئیں۔ سوید نے اچھے دل و دماغ کے ساتھ نکاح نامے پر سائن کیے تھے اور پھر جبراً ”مسکرا کر سب سے نکاح کی مبارک باد وصول کی، اس دوران اس نے نہ تو دلہن کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا نہ اس معاملے میں اس کی کوئی دل چسپی سامنے آ سکی، نکاح کے بعد کھانے کا دور چلا تو وہ عبیدہ کو

لے کر مین ہال سے نکل آیا چپکے سے۔

”بس اب تو خوش ہو نا عبیدہ۔ میں نے بانٹ دیا

خود کو وہ حصوں میں۔“

”نہیں کاغذ کے اس جبری تعلق کو میں کوئی اہمیت نہیں دیتی تم میرے ہو اور زندگی کی آخری سانس تک صرف میرے ہی رہو گے۔“

سوید کا بازو اپنے بازوؤں کی گرفت میں لیے اس نے آہستہ سے اپنے ہونٹ اس کی ٹھوڑی سے ٹپچ کیے تھے۔ سوید جیسے بے جان سا گاڑی میں آ بیٹھا۔

”یہ یقین بیشہ قائم رکھنا عبیدہ! کیونکہ جس دن تمہارے اور میرے بیچ ذرا سی بھی غلط فہمی آئی، اسی دن میں مرجاؤں گا۔“

”پاکل ہو گئے ہو۔؟“ تڑپ کر کہتے ہوئے عبیدہ نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا تھا۔

”میں سچ کہہ رہا ہوں عبیدہ۔ میری سانس تم سے جڑی ہیں تم میرے وجود، میرے سارے جذبوں کی مالک ہو۔ بست پیار کرتا ہوں میں تم سے۔ یہ زندگی اگر خوب صورت ہے تو صرف تمہارے دم سے۔۔۔“

مہمان کے بعد تم دو سری عورت ہو جو مجھے اپنی جان سے بڑھ کر پیاری ہے۔“ وہ جذباتی ہو رہا تھا۔ عبیدہ نے محبت پاش نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

”تم بھی میرا ایمان ہو سوید۔ زندگی کی آخری سانس تک میری وفا تمہاری بھیسو رہے گی۔“ سوید کی آنکھوں کی نمی اسے بھی رلا گئی تھی۔

تکیہ بانسوں میں دبائے، بند پر آڑھا ترچھا لینا وہ گہری فیند میں غرق تھا، جب موی دسپاؤں اس کے کمرے میں چلی آئی، نیچے آسید بیگم اور مریم ناشتے کی تیاری کر رہی تھیں اس نے تفصیلی نگاہوں سے آؤر کا جائزہ لیا، وہ پہلے سے قدرے کمزور ہو گیا تھا۔

کتنے افسوس کی بات تھی کہ وہ لندن سے اس کے لیے کوئی تحفہ نہیں لایا تھا۔ وہ دیکھ کی انتہا پر تھی۔ اس وقت اسے کچھ اور نہ سوچنا تو فریق سے ٹھنڈے پانی کی

163

بوتل نکال کر پوری کی پوری اس پر اندھیل دی۔ وہ جو گہری غیند میں تھا اس اچانک افتاد پر بڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

”تم؟“ نگاہ اس کے مسکراتے چہرے پر پڑے ہی اس کی آنکھیں پوری کی پوری کھل گئی تھیں۔

”جی جناب۔۔۔ اسلام ٹیکم اینڈ منیجمنٹ۔“ دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے اس نے اسے چڑایا تھا۔ جب وہ گہری سانس بھر کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

”کسی کو گہری غیند سے جگانے کا یہ کون سا طریقہ ہے۔“

”بہت زبردست طریقہ ہے تمہیں کیا پتا پاکستان میں یہ طریقہ کتنا کامیاب ہے؟“ مزے سے کہتے ہوئے وہ اس کی اسٹڈی ٹیبل پر ٹک گئی تھی۔ آذر اسے دیکھ کر رہ گیا۔

”تم انتہائی بد تمیز۔ اور بے وقوف لڑکی ہو۔“

”اور تمہارا اپنے مارے میں کیا خیال ہے؟“ وہ کہاں اس کے رعب میں آنے والی تھی۔ آذر بستر چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”اپنے گھر میں سکون نہیں ہے تمہیں۔ جو ہر لمحہ اوجھڑوؤں سے رہتی ہو۔“

”تمہیں کیا تکلیف ہے۔ میری خالہ کا گھر ہے جب دل چاہے اول جاؤں تمہیں کیا؟“

”بہت بولنا آگیا ہے اچھی تمیز سیکھی ہے یہاں آکر۔ اسے برا لگا تھا۔ موی اسے منہ چڑا کر رہ گئی۔

اگلے تین چار روزہ یعنی کے ساتھ کام میں بے حد مصروف رہا تھا۔ موی کا بس نہ چلتا تھا کہ یعنی کو شوٹ کر ڈالتی جو لندن کے بعد پاکستان میں بھی اس کے گلے کا بار بن کر رہ گئی تھی۔ اس وقت بھی وہ اس کے ساتھ گھر کے لان میں بیٹھا کسی ضروری امور پر ڈسکس کر رہا تھا جب وہ مریم کے ساتھ اسلام آباد آئی۔

”مریم۔۔۔ تمہارے ماما تمہارا یہ بھائی ضرور اسی یعنی چرنل سے شادی کرے گا۔“ وہ جلی تھی۔ مریم مسکرا دی۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے یارو۔ صرف بھائی کی

اچھی دوست سے لور بس۔“

”ہاں۔۔۔ تم تو یہی کہو گی۔ آخر ہونا بھائی کی چچی۔“

”بابا بابا پائل ہو تم اور کچھ نہیں۔“ مریم ہنسی تھی۔ وہ تیز تیز چلتی لان کر اس کرگئی آذر کی پر شوق نگاہوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا۔

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد وہ لان سے اٹھ کر اندر آیا تو وہ آسیہ بیگم کے پاس بیٹھی مزے سے ذرا لڑکھا رہی تھی۔ وہ پر شوق نگاہوں سے اسے دیکھتا وہیں بیٹھ گیا۔

”تم پھر آگئیں۔ آخر نہیں ہے ناسکون اپنے گھر میں۔“ وہ اسے تنگ کرنے سے باز آنے والا نہیں تھا۔ موی کھس کر رہ گئی۔

”اپنے شوق سے نہیں آئی۔ تمہاری بہن زبردستی کھینچ کر لائی ہے۔“

”اچھا۔۔۔ یقیناً سارے گھر کی صفائی کرنی ہو گی یا پھر کپڑے دھونے ہوں گے۔ کل سے کام والی بھی تو نہیں آ رہی نا چلو پیسہ میرا گھر صاف کرو۔ بہت خراب ہو رہا ہے۔“

”منہ دھو رکھو۔ اور خود کرو یہ سارے کام فضول لوگوں سے گپ شپ میں جو قیمتی وقت برباد کرتے ہو اسے بھی مفید بھی بنا لیا کرو۔“ منہ میں ناگ جڑھا کر بولتی وہ اسے بے حد اچھی لگی تھی۔ آسیہ بیگم مسکرا کر اٹھتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

”مریم۔۔۔ میں ذرا مارکیٹ تک جا رہا ہوں یعنی کے ساتھ۔۔۔ واپسی پر اپنی کاشتہ بنا کر رکھنا۔“ فوراً سنجیدہ ہو کر وہ مریم سے مخاطب ہوا تھا۔ موی کی جلن مزید بڑھ گئی۔

”اللہ کرے تم اسے چھوڑنے جاؤ اور تمہارا ایکسیڈنٹ ہو جائے۔ جس میں وہ اسٹوڈنٹ لڑکی مر جائے۔“

”موی۔۔۔ پائل ہو گئی ہو؟“

اس کے دے دے لہجے کی بددعا پر مریم نے دہل کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ جب وہ ضبط کرتے ہوئے

بولی۔

”ابھی تو نہیں ہوئی، مگر تم دیکھ لینا۔ تمہارا یہ بھائی ایک دن ضرور مجھے پائل کر کے چھوڑے گا۔“ آذر کمرے سے نکل چکا تھا۔ مریم محض افسوس سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

~ ~ ~

”مریم۔۔۔ کیا آذر واقعی یعنی سے محبت کرتا ہے؟“ اس روز آئیڈی جاتے ہوئے موی نے مریم سے پوچھا تھا۔ جب وہ بولی۔

”نہیں۔۔۔ میرا نہیں خیال کہ ایسا کچھ ہے۔“

”کیوں۔۔۔ تم اتنے وقتوں سے کہے کہہ سکتی ہو؟“ وہ بے چین تھی مریم اسے دیکھ کر رہ گئی۔

”یعنی بھائی سے بات کر رہی تھی کہ وہی تھی وہ تم سے بہت پیار کرتی ہے آذر خیال کیا کرو اس کا۔ اس سے مجھے پتا لگا کہ بھائی کی زندگی میں وہ نہیں ہے۔“

”نہیں۔۔۔ میں ابویں خار گھاتی ہوں چارویں سے ویسے پھر وہ کون ہے جس کی وہ سفارش کر رہی تھی یہ تو مجھے پتا ہے کہ وہ میری سفارش کسی صورت نہیں کر سکتی کیونکہ میرا اس سے اب تک بہت غلطی ہو رہا ہے۔“

”یہ تو اب وقی جانے۔ مگر یہ ہے کہ بھائی کسی نہ کسی سے محبت کرتے ضرور ہیں۔“

”کیسے۔۔۔ میرا مطلب ہے تمہیں کیسے پتا؟“

”ابھی پر سوں پتا چلا ہے جب میں انہیں شام کے بعد چائے دینے گئی بھائی کے ہاتھ میں کسی لڑکی کی تصویر تھی اور وہ اکیلے میں اس سے باتیں کر رہے تھے۔ میں گئی تو جلدی سے تصویر ڈائری میں چھپا کر رکھ دی۔ جس تک میرا خیال ہے وہ کوئی لندن کی لڑکی ہی ہے کیونکہ بھائی کے سیل پر آنے والی زیادہ تر کالز لندن کی ہی ہوتی ہیں۔“

”ہائے نہیں مریم۔ میرے ہوتے اگر کسی نے میرے حق پر ڈاکہ ڈالا تو میں اس کی اینٹ سے اینٹ

بجا کر رکھ دوں گی۔“ وہ جذباتی ہوئی تھی مریم نے نظر پھیر لی۔

”بس رہنے دو۔۔۔ دلوں کی سلطنت غنڈا گروہی سے نہیں جیتی جالی اس معاملے میں صرف عاجزی چلتی ہے۔“

”تمہارے بھائی کا دل عاجزی سے قابو میں آنے والا نہیں ہے اچھا۔“ وہ چڑی تھی مریم خفا ہو گئی۔

”ایک تو تم فتوے بڑی جلدی جاری کر دیتی ہو ڈرا جو کسی کی بات سمجھ میں آجائے تمہارے۔“

”مجھے نہیں سمجھنی ایسی کوئی بات جس سے اسے مزید اکرے کا موقع ملے ایک تو پہلے ہی اس کی گردن میں خم نہیں ہے اوپر سے تم مجھ سے منہیں کروا رہی ہو نہ بابا مجھے تمہاری یہ تادیر رائے منظور نہیں۔“ وہ ہلر سوچ کی مالک تھی۔ مریم منہ پھیر کر اپنی جماعت کی طرف بڑھ گئی۔

آذر کا آئی ڈی کارڈ اور اسے نی ایم کارڈ اکٹھے ہم ہو گیا تھا سارا کمرہ چھان مارا مگر کہیں سے وصول پائی نہ ہو سکی۔ تبھی اس نے مریم سے پوچھنا چاہی کہ کئی گھر صاف کر گئی یہ کہہ کر کہ بھائی میں تو آپ کے کمرے میں جاتی ہی نہیں ہوں۔

”پھر۔۔۔ جن اٹھا کر لے گئے یا انہیں پاؤں لگ گئے۔“

اس کا غصہ کم نہیں ہوا تھا۔ مریم کو یاد آگیا کہ صبح اس کے آفس جانے کے بعد موی وہاں آئی تھی۔ تبھی وہ بول اٹھی تھی۔

”بھائی۔۔۔ صبح موی یہاں آئی تھی شاید اس نے اوہر اوہر رکھ دیے ہوں۔“ موی کی شرارتیں بہت بڑھ گئی تھیں۔ آذر آج اسے رعایت دینے کے موڈ میں نہیں تھا۔

”لو کہ۔۔۔ فوری بلا کر لاؤ اسے۔“ موی بلیک میکسی میں تک رسک سی تیار کہیں جانے کو پر توڑ رہی تھی جب آذر کے بلاؤں پر بنا کسی ہچکچاہٹ کے اس کے حضور پیش ہو گئی۔

”کہاں جا رہی ہو؟“ اسے بنے سنورے دیکھ کر وہ

اپنا مسئلہ فوری بھول ہی گیا۔ مریم کا دل من ہی من میں بے تحاشانہ کو چاہ رہا تھا مگر وہ ضبط کیے رہی۔

"ایک فریڈ کی برتھ ڈے پارٹی ہے، وہیں جا رہی ہوں، کیا یہی پوچھنے کے لیے بلایا ہے؟"

"جی نہیں۔ میرا آئی ڈی کارڈ اور اسے فی ایم کارڈ کہاں ہے؟"

"مجھے کیا پتا۔ مجھے تو نہیں پکڑائے تھے۔"

"موسیٰ میں اس وقت ٹینشن میں ہوں، مجھے تنگ مت کرو۔" وہ شدید غصے میں تھا۔ موسیٰ ٹھنک کر رہ گئی۔

"جو ج ہے میں وہی کہہ رہی ہوں۔"

"اوکے۔۔۔ پھر تو میرے ساتھ۔" لپک کر آگے بڑھتے ہوئے اس نے موسیٰ کا بازو تھاما اور اسے زبردستی اپنے ساتھ گھسیٹا اور پرکی بلائی منزل پر لے آیا۔ موسیٰ اس وقت اس کا موڈ سمجھنے سے فطری قاصر تھی۔ وہ ٹیرس کے قریب آیا اور اس سے پہلے کہ موسیٰ اس کا ارادہ جانتی اس نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر ٹیرس سے نیچے لٹکا دیا۔ وہ چیختی تھی اور اس کا دل لمبے میں خشک پتے کی مانند کانپ کر رہ گیا تھا۔

"اب بولو مجھے تنگ کرنے سے باز آؤ گی یا نہیں۔"

"آز۔۔۔" وہ خوف سے چیخ رہی تھی مگر وہ بے نیاز تھا۔

"میرے کارڈ واپس کرتی ہو یا پھینک دوں نیچے۔"

"آز۔۔۔" موسیٰ کا لہجہ خوف اور دکھ سے بھٹ رہا تھا۔ وہ جیسے آزر کی کوئی بات نہیں سن رہی تھی، مریم بھاگتے ہوئے لوہر آئی تھی اور پھر سامنے کا منظر دیکھ کر وہ بھی پریشان ہو گئی، موم کے سانچے میں ڈھلی اس کی وہ پیاری سی کزن آزر عباس کے دو مضبوط بازوؤں کے سارے فضا میں لٹکی ہوئی تھی۔

"بھائی۔۔۔ یہ کیا کر رہے ہیں؟" وہ پریشان سی اس کے قریب آئی تھی جب وہ بولا۔

"تم چپ رہو مریم۔ اسے اس کی شیطانیوں کی سزا ملنی چاہیے۔" موسیٰ کا رنگ اب سفید پڑ رہا تھا۔

آزر کو ناچا جتے ہوئے بھی اسے واپس کھینچا پڑا۔

"بولو۔۔۔ باز آؤ گی اپنی حرکتوں سے کہ نہیں؟"

وہ ذرا سا نرم پڑا تھا۔ موسیٰ سے اپنی سانسیں درست کرنا دشوار ہو گیا۔

"موسیٰ۔۔۔ تم ٹھیک ہو؟" مریم پریشانی سے آگے بڑھی تھی مگر موسیٰ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ وہ لب رو رہی تھی۔ آزر عباس کی ٹینشن مزید بڑھ گئی۔

"تو تم اپنی فضول حرکتوں سے باز نہیں آؤ گی؟"

"شٹ اپ۔۔۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ میں تمہارے لیے اتنی سستی ہوں۔۔۔" خبردار جو کبھی دوبارہ مجھے چھونے کی کوشش کی تھی۔

اس کی بھینکی آنکھوں میں جیسے آگ دھبہ رہی تھی۔ آزر کچھ دیر اسے سنجیدگی سے دیکھتا واپس پلٹ گیا تھا۔ جبکہ مریم اب اس کی دھکی ہوئی آگ کو سرد کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

فیڈلٹی میں غلطی وژن فل آؤز کے ساتھ چل رہا تھا۔ جبکہ وہ اس کے سامنے نیچے جیسے وہاں ہوتے ہوئے بھی وہاں نہیں تھی۔

وہ چھوٹی سی تھی جب اس کی ماں زبردستی اس کے پیچھے سے ڈائیورس لے کر علیحدہ ہو گئی، قرۃ العین کے لیے وہ وقت زندگی کا سب سے کشمکش وقت تھا مگر پھر اس سے بھی برا وقت تب آیا جب اس کے پیچھے بھی دو سری شادی کر لی، وہ جیسے اپنے ہی گھر میں ایک فائنو شے کی حیثیت اختیار کر گئی تھی، ایسے میں آزر کی فیملی اور دوستی نے اسے بہت سارا اپنا تھا، وہ جو باپو سیوں اور غموں کے حصار میں قید ہو چکی تھی، آزر کے ساتھ نے اسے دوبارہ زندگی کی طرف واپس کھینچ لیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ جیسے اس کی فیملی کا حصہ بنتی چلی گئی تھی اسے اس تھمائی اور وحشت کا احساس ہی نہ رہا، جو کچھ روز پہلے اسے دیکھ کی طرح چاٹ رہا تھا۔ وہ پھر سے جینے لگی تھی۔

اس روز بھی آزر اپنے سارے کام التوا میں ڈال کر

اس کی سانگرہ وجوم وجام سے منانے کے لیے گھر کا گونا گونا سجا رہا تھا۔ موسیٰ ہر بات سے بے خبر اس روز ان کیلے آکر آئی تھی۔ جبکہ مریم نے گھر میں کام کا سامان بنا کر چھٹی کر لی۔ وہ آکر آئی تو آزر، مریم کے ساتھ مل کر میاں کمرے کی سجاوٹ کر رہا تھا۔ وہ ذرا سی حیران ہوئی تھی۔ کہاں تو اس کی اتنی مصروفیت کہ سر کھانے کو تاخیر نہیں، اور کہاں اب مکمل فرصت سے بچوں کی طرح دیواروں پر رنگا رنگ رین لگا کر وہاں غبارے باندھ رہا تھا۔ اسے یاد آیا وہ لندن میں صرف اس کی سانگرہ کے روز ایسا اہتمام کیا کرتا تھا۔ مہمانوں کو مدعو کرنے کے ساتھ ساتھ گھر کو سجانا اور سنوارنے سے لے کر مزے مزے کے پکوان تیار کرنے میں بھی وہ ہمیشہ سب سے آگے رہا کرتا تھا۔ موسیٰ چاہ کر بھی ان دنوں کو بھلا نہیں پا رہی تھی جب وہ صرف اور صرف اس کا تھا۔ وہ آگے بڑھی تھی اور مریم کے قریب آ کر کھڑی ہوئی تھی۔

"کیا وہاں ہے۔۔۔ کوئی آ رہا ہے کیا؟"

"اب۔۔۔ نہیں یا۔۔۔" آکر آئی تھی اس کی سانگرہ ہے اور آزر بھی اسے سر پر اتار دینا چاہ رہے ہیں۔

مریم ایک سجانے میں مصروف تھی وہ دیکھ ہی نہیں سکی کہ اس کے اظہار نے موسیٰ کے چہرے پر کیا اثر ڈالا ہے، آزر اب میز سے کود کر اس کے مقابل آکر کھڑا ہوا تھا۔

"تم نے مینی کے لیے کوئی گفٹ وغیرہ خریدا ہے کہ نہیں؟"

گفتنی فکر تھی اسے مینی کی خوشی اور پذیرائی کی۔ موسیٰ کے اندر جیسے حواں سا بھر گیا۔

"کیوں۔۔۔ اپنے لیے تو بڑی فائنس رہتی ہو، کبھی دو سروں کی خوشی کا خیال بھی کر لیا کرو۔"

"دو سروں کی خوشی کا خیال رکھنے کے لیے تم کافی ہو آزر عباس۔" اسی کے انداز میں تب کر جواب دیتے ہوئے وہ پھر وہاں ٹھہری نہیں تھی، جبکہ آزر عباس اس کی بھینکی آنکھوں میں جیسے آگ دھبہ رہی تھی، مریم بھاگتے ہوئے لوہر آئی تھی اور پھر سامنے کا منظر دیکھ کر وہ بھی پریشان ہو گئی، موم کے سانچے میں ڈھلی اس کی وہ پیاری سی کزن آزر عباس کے دو مضبوط بازوؤں کے سارے فضا میں لٹکی ہوئی تھی۔

"بھائی۔۔۔ یہ کیا کر رہے ہیں؟" وہ پریشان سی اس کے قریب آئی تھی جب وہ بولا۔

"تم چپ رہو مریم۔ اسے اس کی شیطانیوں کی سزا ملنی چاہیے۔" موسیٰ کا رنگ اب سفید پڑ رہا تھا۔

کی بھینکی آنکھوں کا تصور کر کے مسکرا دیا تھا۔

"یہ ٹھیک نہیں ہے، بھائی، آپ کو پتا بھی ہے کہ وہ آپ سے کتنا پیار کرتی ہے، پھر بھی آپ اسے دکھ دینے سے باز نہیں آتے کیوں؟"

"مزا آتا ہے ڈیئر سسٹر۔ تمہیں کیا پتا وہ سڑ سڑ کرتی کتنی اچھی لگتی ہے۔" وہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔

مریم اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"موسیٰ صبح کتنی ہے۔ آپ واقعی بہت بے حس ہیں۔"

کیک کی سجاوٹ کا کام ادھورہ چھوڑ کر وہ بھی وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی تاہم آزر، موسیٰ کی متوقع ناراضی کا سوچتے ہوئے دیر تک لطف اٹھا رہا۔

اس روز بہت بارش ہوئی تھی۔

رات بھر وقفے وقفے سے بارش کا سلسلہ جاری رہا تھا۔ دل آویز ہاسٹل سے گھر شفٹ ہو چکی تھی لہذا عقل جعفری اب اس کی رخصتی کا سوچ رہے تھے، اسی مقصد کے لیے راجیل جعفری کی شہر آمد پر ایک عرصے کے بعد وہ ان کے گھر فضلہ علی کے مقابل آئے تھے۔

پرستی بارش میں بھیگے درود پوار حسرت سی بکتی ان کی آنکھوں میں عجیب سی خاموشی تھی۔

جوانی میں وہ عورت کیا تھی اور اب۔۔۔ وقت سے پہلے پرچاپے نے اس خوب صورت سراپے والی عورت کا کیا حشر کر دیا تھا کہ سٹائوں کی چیخیں ان کی آنکھوں سے باہر آتی تھیں۔ وہ بال کمرے میں بیٹھی بارش کو دیکھ رہی تھیں جب ان کے قدم اس کمرے کی دلیز پر پڑے تھے اور پھر جیسے وجود پتھر کا ہو گیا تھا۔

بارشوں کے موسم میں

تم کو یاد کرنے کی عادتیں پرانی ہیں

اب کی بار سوچا ہے

عادتیں بدل ڈالیں

پھر خیال آیا کہ

خاتون بدلتے سے بارشیں نہیں رکتیں!
"عقیل۔۔۔" فیصلہ لی کی نگاہ ان پر پڑی تھی اور
لب جیسے پھر پھر کر رہ گئے تھے۔
اس نے چھو کر مجھے پتھر سے بھر انسان کیا
مددوں بعد میری آنکھ میں آنسو آئے
وہ ست روی سے قدم اٹھاتے بن کی طرف آئے
تھے

"کیسی ہو فیصلہ۔۔۔؟"
"پتا نہیں۔۔۔ بس ایک بے نام اداسی سی ہے جو
کسی لمحہ پچھتاہیں چھوڑتی۔ ایک خلیں ہے عقیل!
جو کسی بل سکون سے جینے نہیں دیتی تم تم اعلا طرف
ہو معاف کرو مجھے پلیز۔" ان کی آنکھیں آنسوؤں
سے بھری تھیں۔ عقیل جعفری نے بے ساختہ رخ
پھیر لیا۔

"کس بات کی معافی نکلی۔ اپنے قانون ہوتے ہیں
محبت کے نور سزا میں بھی۔ میں تو اب وہ سزا پوری
بھی کر چکا۔" ان کی آواز بھاری ہوئی تھی۔ فیصلہ لی
کی آنکھوں سے کئی قطرے ایک ساتھ پھسل کر چہرے
کو گھسو گئے۔

"گھر والے کہاں ہیں؟" فوراً سے پتھر سنبھالا تھا
انہوں نے خود کو جب وہ بولیں۔

"نہیں باہر گئے ہیں سوید اور عبیدہ بیٹی اوپر ہیں۔"
"ٹھیک ہے" پھر میں چتا ہوں راحیل بھائی آئیں
تو میرا بتا دینا اور مٹا کہ سوید اور دل آویز کی باقاعدہ شادی
کی تیاری کر لے۔"
"عقیل۔۔۔"

"ہوں۔" فیصلہ لی کے پکارنے پر وہ جیسے چوکتے
ہوئے ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"عقیل۔۔۔ سوید میری بیٹی کی محبت ہے میری
عبیدہ بہت چاہتی ہے اسے۔" وہ بے قرار سی بولی
تھیں اور عقیل جعفری جیسے پھر سے شاکر رہ گئے تھے۔
"یا کہہ رہی ہو فیصلہ۔۔۔؟"

"وہی جو بچ ہے۔" انہیں جیسے بہت جلدی تھی
عقیل جعفری تھی ہی دیر تک حیران نہ ہیسمان

نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتے رہ گئے تھے باہر بارش
پھر زور پڑ گئی تھی! اگلی صبح عبیدہ اپنی ماں کو "صبح بخیر"
کنے کے لیے ان کے کمرے میں آئی تو گرم بستر میں
فیصلہ لی کا صرف جسم بڑا تھا روح نہیں تھی۔
وہ روئی تھی بنگ بنگ کر روئی تھی مگر اس کے
آنسو بھلا اس کی ہانسیاں کہاں واپس لا سکتے تھے۔ رات
کے کسی پیر فاج کے دو سرے شدید انیک نے ان کے
جسم کے بائیں طرف والے حصے کو منلو ج کر دیا تھا۔
راحیل یوں سن ہو کر رہ گئی تھیں جیسے ان کا دنیا میں
کچھ باقی بچا ہی نہ ہو جبکہ سوید۔۔۔ اس کی سمجھ میں
نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنی زندگی کی ان "عزیز ہستیوں" کا ہم
کیسے بانٹے؟

چار ماہ اسی غم نے چاٹ لیے۔ سوید کے ساتھ دل
آویز کی رخصتی پھر التوا میں پڑ گئی وہ قطعی کسی نئی
زندگاری کو قبول کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا جبکہ عبیدہ
سے اس کا تعلق بھی عبیدہ کی پرگنسی کے
باعث منظر عام پر آ چکا تھا۔ حالات مختلف ہوتے تو شاید
راحیل جعفری صاحب شہر چائے تھیں۔ عجیب سی
سوگوار کی کے اس ماحول میں عبیدہ پر انکی اٹھنے سے
قبل ہی اس نے انہیں سب کچھ صاف صاف بتا کر
کچھ کہنے کے لائق نہیں چھوڑا تھا۔

اوپر عقیل جعفری نے فیصلہ لی کی موت کی خبر
بڑے حوصلے سے سنی تھی مگر یہ حوصلہ اندر ہی اندر
انہیں کھانے لگا تھا اسی لیے فیصلہ لی کی وفات کے
ٹھیک چار ماہ بعد۔۔۔ سوید کے لاکھ پاؤں ٹپٹنے کے باوجود
دل آویز کی رخصتی طے کر دی گئی

رات بھر جانے اور منڈن کا شکار رہنے کے سبب
اس کے سر میں شدید درد تھا اور پورا جسم جیسے ٹپکے ٹپکے
بخار کی لپیٹ میں آیا ہوا تھا۔ پورا دن عبیدہ کے ناز
اٹھانے کے بعد شام چھ گھنٹے وہ ضد کر کے بے حد سلوکی
کے ساتھ راحیل جعفری کی ہمراہی میں عقیل منزل کی
طرف آیا تھا جس کے شاندار در و دیوار سے چھلکتی
عجیب سی وحشت نے اس کا بڑا پر تپاک استقبال کیا
تھا۔

قرۃ العین عرف بینی کی سالگرہ اس کی شرکت کے
بغیر بھی بہت شاندار رہی تھی۔
تقریب ابھی شروع بھی نہیں ہوئی تھی کہ مریم
اسے شرکت کے لیے بلانے چلی آئی۔ مگر وہ جو اندر
سے لمولیاں ہو رہی تھی اسے مریم کا یہ بلاؤ جلتی پرتیل
کا ڈیم لگا بھی اسے بے رخی سے انکار کر کے کمر بند کر
کے بیٹھ گئی۔ جانے کیوں اس وقت اس کا دل شدت
سے رونے کو چاہ رہا تھا۔ اگر عینی وہ لڑکی نہیں تھی جسے
آزاد چاہتا تھا تو پھر وہ اس پر اتنا مہمان کیوں ہو رہا تھا۔
کیوں اتنی اہمیت دے رہا تھا اسے۔ سوچ سوچ کر
اس کا سر درد سے بھٹنے لگا تھا۔

اسے بھرچھٹا رہا کہ وہ اسے بلانے آئے گا مگر
اس کا انتظار اتنا ہی رہا اور تقریب ختم بھی ہو
گئی۔ اسے پتا ہی نہ چل سکا کہ وہ کتنی دیر سرگنہوں
میں رہے روئی رہی تھی۔ مسز عقیل تقریب کے
اختتام کے بعد اٹھ کر گئے لیکن تو آواز بھی ان کے
ساتھ ہی چلا آئی۔
"آنٹی۔۔۔ موی نے کھانا نہیں کھایا پلیز اسے کھانا
کھاؤ دیکھیے گا۔"

"لیکن۔۔۔ وہ تو اب تک سوچتی ہوگی۔"
"آج وہ اتنی جلدی نہیں سو سکتی۔ خیر میں دیکھتا
ہوں۔"

کچھ سوچ کر کہتے ہوئے وہ سرعت سے میز چیلوں کی
طرف بڑھ گیا تھا۔ موی کا کمرہ اس کی توقع کے برخلاف
لاکھ نہیں تھا وہ جانتا تھا کہ اسے موی کو کیسے کھانا کھانا
ہے۔ مگر اس وقت اس کی جان پر بن گئی جب اس
نے کمرے کے وسط میں موی کو اپنا پیٹ پکڑنے پر وہ
سے تڑپتے ہوئے دیکھا۔ بجلی کی سرعت سے وہ اس کی
طرف لپکا تھا۔
"موی۔۔۔"

"آزاد! آزر مجھے بچاؤ! ہم میں مرنا نہیں چاہتی۔"
اس کا چہرہ اس وقت عجیب ہو رہا تھا۔ آزر کو نگاہیں اس

کی ٹانگوں سے جان نکل گئی ہو۔
"اولیٰ گا۔۔۔ کیا کیا ہے تم نے اپنے ساتھ کیا کھایا
ہے؟" موی کی نزاکت کا احساس کیے بغیر وہ حارز تھا۔
مگر موی بند ہوئی آنکھوں کے ساتھ اسے کوئی جواب
نہ دے سکی۔ تب وہ اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھا
کر نیچے کی طرف بھاگا تھا، مسز عقیل ابھی کچن میں
موی کے لیے کھانا نکال رہی تھیں ان کی نظر آزر پر
پڑی تو ہاتھ سے کھانے کی ٹرے چھوٹ کر گر پڑی۔
"آزر۔۔۔ کیا ہو امیری بیٹی کو۔"

"پتا نہیں آنٹی۔۔۔ شاید اس نے کچھ کھالیا ہے۔
پلیز جلدی میرے ساتھ آئیں۔" گاڑی باہر کھڑی تھی
وہ سرعت سے موی کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹا کر
سینے میں اودھم مچاتے دس کے ساتھ مسز عقیل کے
گاڑی میں بیٹھتے ہی مٹا کسی کو اطلاع دیے گاڑی بھاگا
لے گیا مسز عقیل کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے
بار بار موی کا منہ چومتے ہوئے وہ رو رہی تھیں جبکہ
آزر کا دل اسے کچھ ہو جانے کے تصور سے ہی پھٹ رہا
تھا اس کا پس نہ چلتا تھا کہ گاڑی کسی درخت سے ٹکرا
کر اپنا وجود ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا۔

زندگی میں پہلی بار اس نے ٹریفک سگنل کے
قوانین کو توڑا تھا۔ گاڑی کو سڑک پر دوڑانے کی بجائے
ہوا میں اڑاتے ہوئے وہ ہسپتال پہنچا تھا اور وہاں ڈیوٹی
پر موجود اکثرز کو غیر حاضریا کر دیکر عملے پر برس پڑا تھا۔
اس کا بس نہ چلتا تھا کہ سب کو گرجان سے پکڑ کر
زبردستی ایمر جنسی روم میں دھکیل دیتا۔ یہ کیسا امتحان

رحم کے خدائی مسیحا کی

فوز یہ یا سمین

قیمت۔۔۔ 250/- روپے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37- اردو بازار، کراچی۔

تھا محبت کا کہ جسے جلا کر سٹا کر وہ لطف سمیٹتا تھا اب وہی زندگی اور موت کی کشمکش میں تھی تو جیسے وہ دیوانہ ہو کر رہ گیا تھا۔ صبح معنوں میں اسے ابھی احساس ہوا تھا کہ وہ اس کے لیے کتنی قیمتی تھی؟

جانے یہ ایک ماں کی دعاؤں کا اثر تھا کہ محبوب کی بروقت کوششوں کا جو وہ موت کو شکست دے کر زندگی کی طرف واپس پلٹ آئی تھی، ڈاکٹرز کے مطابق اس نے جو بے مار ادویات پچانگی تھیں، جس سے اس کا معدہ پھٹتی ہوئے کاخشا تھا۔ اس کا زندہ بچ جانا ایک طرح سے معجزہ ہی خیال کیا جا رہا تھا۔ جب تک وہ ایمر جنسی وارڈ میں رہی، آذر کو اپنی جان سولی پر لٹکی محسوس ہوتی رہی، اس دوران اس نے نہ تو کسی قانون سنا، نہ ایک پل کے لیے بھی ہسپتال سے باہر گیا۔ جس وقت ڈاکٹرز نے اسے موی کی زندگی خطرے سے باہر ہونے کی نوید سنائی، وہ پلکیں موندے، سر دیوار سے ٹکائے سن بیٹھا تھا۔ اس کی زندگی کی نوید سننے کے بعد اسے زندگی اپنے اندر دوڑتی محسوس ہوئی تھی۔

ڈاکٹرز کے مطابق موی بے ہوشی میں مسلسل اپنی ماں اور باپ کے ساتھ آذر کو پکارتی رہی تھی۔ اس کے کمرے میں شفٹ ہونے کے بعد آذر نے کمر فون کر کے اپنی ماں اور دیگر افراد کو اطلاع دی تھی۔ آسیہ بیگم کے ساتھ جس وقت مریم اور عینی نے کمرے میں قدم رکھا۔ وہ بے ہوش پڑی موی کا ہاتھ تھامے بیڈ پر اس کے سر ہانے بیٹھا تھا۔ عینی کے اندر بے چینی سی پھیل گئی۔

مریم اور آسیہ بیگم موی کو چومتے ہوئے رو رہی تھیں، جبکہ اس نے آذر کے قریب جا کر اپنا ہاتھ اس کے منہ پر کھدھے پر رکھا تھا۔

”اب کیسی طبیعت ہے موی کی؟“

”خطرے سے باہر ہے۔“ آذر کے لہجے سے لگ رہا تھا جیسے اسے بولنا دشوار لگ رہا ہو۔ وہ وہیں کھڑی رہی۔

”منشن مت لو آذر۔ اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ انکل کو فون کیا ہے؟“

”نہیں۔۔۔ اس وقت انہیں پریشان کرنا مناسب نہیں۔“ عقیل صاحب ملک سے باہر تھے اس لیے آذر نے انہیں اطلاع نہیں دی ویسے بھی موی اب ہوش میں آ رہی تھی، آذر خاموشی سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ عینی بھی اس کے پیچھے ہی باہر آئی تھی۔

”کچھ بتا چلا کہ موی نے ایسا کیوں کیا؟“

”پتا کس سے چٹنا ہے، میں جانتا ہوں کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔“ آذر کی آنکھیں اس لمحے جیسے جل رہی تھیں۔ عینی اس کے پہلو میں ٹپک گئی۔

”میں کئی دنوں سے یہ بات محسوس کر رہی تھی آذر۔ کہ وہ نہیں ہے شاید وہ تم سے بہت جنوں خیز قسم کی محبت کرتی ہے۔“

”وہ بہت پاگل ہے عینی، میں بچپن سے جانتا ہوں اسے، مگر پاگل پن میں وہ کوئی ایسا امتحانہ قدم بھی اٹھا سکتی ہے، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔“ وہ پریشان تھا۔ عینی دیر تک اس کے پہلو میں بیٹھی اسے تسلیاں دیتی رہی تھی!

”سوید بھائی!“ ہلکی پھلکی کڑبائی کے ساتھ سے پتک سوٹ میں تیار، بڑی سی سیاہ چادر میں لٹھی دل توڑ جعفری رخصتی کے لیے تیار تھی جب وہ کسی کی پکار پر ٹھٹک کر روک گیا۔

”جی۔“ فوراً پلٹ کر پیچھے دیکھتے ہوئے اس کی نگاہ بہت دل کش چہرے والی ایک خوب صورت سی لڑکی سے ٹکرائی تھی۔

”مم۔۔۔ میرا نام مریم ہے، مریم عباس۔ دل توڑ کی بہن اور بہت اچھی دوست ہوں۔ آپ سے کچھ کہنا تھا۔“

”جی فرمائیے۔“ بے گانگی لیے اس کے لہجے میں عجیب سا دلکھا پن تھا۔ مریم عباس سے اپنا مدعا بیان کرنا مشکل ہو گیا۔

”وہ۔۔۔ میں آپ کو بتانا چاہتی تھی کہ۔۔۔ دل توڑ

پاگل نہیں ہے۔۔۔ وہ صرف ایک صدمے کے حصار میں ہے ڈاکٹرز کے مطابق، ماحول کا بدلہ اور ڈھیر ساری محبتیں اسے اس صدمے کے حصار سے نکل سکتی ہیں۔“

”تو۔“ سوید کو ذرا برابر اس قصے سے دلچسپی نہیں تھی۔

”تو۔۔۔ تو آپ اس کا بہت خیال رکھیے گا، اسے بہت سارا پیار دیجیے گا، انکل نے اگر اس کے لیے آپ کا انتخاب کیا ہے تو یقیناً بہت سوچ سمجھ کر کیا ہو گا، وہ مگر ہر بایا ہے، صدف ہے، اسے کبھی دکھ مت دیجیے گا پلنر۔“ سامنے کھڑی خوب صورت لڑکی کی بیٹھی پللیں دیکھ کر وہ کہتے کہتے رہ گیا تھا۔

”ایسا ہی گوہر تھا تو کھر میں رکھتے، میری زندگی کیوں عذاب کر رہے ہو۔“ مگر نہ کہہ سکا۔

”ٹھیک ہے اور کچھ؟“

”نہیں۔“ آنسو پینے کی ناکام کوشش کرتی وہ لڑکی نفی میں سر ہلا کر فوراً واپس بیٹھی تھی اور تقریباً بھاگتے ہوئے بیڑھیاں چڑھ کر اوپر کسی کمرے میں گم ہو گئی تھی۔ سوید سر جھٹک کر، بنا کسی سے ملے کمرے سے نکل آیا۔

”تھکن سے بے حال جس وقت وہ گھر واپس لوٹا، عبیدہ اس کے انتظار میں جلے پیر کی لمبی کی مانند لوہر سے اوھر پھر لگا رہی تھی دل توڑ کو گاڑی سے راجیل جعفری صاحب باپ نکل کر گھر کے اندر لائے تھے وہ یوں سرد اور گم سم تھی جیسے برف سے نکال کر لائی گئی ہو۔“

راجیل بی ایک سرسری سی نگاہ اس پر ڈال کر اپنے کمرے میں قید ہو گئی تھیں ایسے میں راجیل جعفری صاحب کو مجبوراً سوید کو آواز دینی پڑی، جو اندر کمرے میں عبیدہ کے پاس بیٹھا، اسے ڈھیروں وعدے اور تسلیاں سمجھا رہا تھا۔

”جی بابا۔“ راجیل جعفری کی کڑک پکار پر وہ فوراً نیچے آیا تھا۔

”دل جلی کو کمرے تک تو لے جاؤ، یا یہ فرض بھی

مجھے سر انجام دینا پڑے گا۔“

کوئی اور موقع ہوتا تو شاید وہ جواب میں کچھ کہتا، مگر اس وقت تھکن سے بے حال وہ کچھ بھی کہنے سننے کی پوزیشن میں نہیں تھا لہذا خاموشی سے دل توڑ کا ہاتھ تھام کر اسے اوپر اس کے لیے مخصوص کیے گئے کمرے میں لے آیا۔

”بیٹھ جاؤ آرام سے اگر بھوک لگے تو بتاؤ، کھانا لا دوں گا۔“ اسے بیڈ پر بٹھا کر وہ پلٹ رہا تھا جب دل توڑ جعفری سکر کر خود کو سمیٹتی، دونوں پاؤں بیڈ کے اوپر رکھ کر بیٹھ گئی وہ یوں خوف زدہ تھی جیسے جنگل سے پکڑ کر شیر کے چور ہے پلا کر کھڑی کر دی گئی ہو۔ سوید سر جھٹک کر بنا اس کا دیدار کیے کمرے سے نکل آیا تھا!

رات عبیدہ کے اطمینان سے سو جانے کے بعد وہ بے دلی سے اٹھ کر دل توڑ جعفری کے کمرے کی طرف آیا تھا۔ دروازہ آہستہ سے دھکیل کر جس وقت وہ کمرے میں داخل ہوا ٹھٹک کر روک گیا۔ دل توڑ جعفری کمرے میں ڈور بنگ فیمیل کے سامنے کھڑی، عجیب دل چسپی سے آئینے کو دیکھ رہی تھی، خوبصورت نگاہوں میں عجب سا خالی پن تھا، کسی بھی قسم کے داغ سے پاک، موم سے ڈھلا، مسخ و سپید چہرہ اپنے جینے نقوش کی تمام تر دل کشی کے ساتھ اسے مہسوت کر گیا تھا، چاکلیٹ کلر سنہری بال، شانوں پہ بکھرے، اسے دیوالائی حسن کی نگہری کا پانی ثابت کر رہے تھے۔ وہ اتنی نازک اور خوب صورت تھی کہ سوید کو بے ساختہ اس کا پیکر مٹی کی بجائے موم اور کالج میں ڈھلا محسوس ہوا تھا۔

وہ اس کی چچا زاد کزن تھی مگر عجیب اتفاق تھا کہ بچپن میں ایک دوبار سلام دعا کے علاوہ وہ اس سے کبھی نہیں ملا تھا۔ شاید یہ دودھیالی رشتہ داروں سے نفرت تھی یا کچھ اور کہ وہ کبھی اپنے دیگر کزنز سے بھی نہیں مل سکا تھا۔

سوید کو لگا اگر وہ اس کے نزدیک جائے گا تو یقیناً

کانچ کا وہ مجسمہ ٹوٹ کر بکھر جائے گا۔ لہذا ہم سم سولینر پر کھڑا وہ اسے تکتا رہا تھا۔ جو کافی دیر آئینے کے سامنے کھڑی رہنے کے بعد اب اس کی شکل پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیر کر تجانے کیا چیک کر رہی تھی۔ کچھ ہی دیر میں اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی 'اودھ' کھلی لپ اسٹک اٹھائی تھی اور اسے ہونٹوں کے ساتھ ساتھ پورے چہرے پر مل لیا تھا۔

تمہی! "دل آویز! " قلعی بے ذریعہ کے عالم میں سویڈ نے اسے پکارا تھا اور وہ چونک کر بیٹھی تھی۔ "آؤ۔۔۔" لگا ہی سویڈ کے پر تھکن چہرے پر جمائے اس کے ہونٹوں سے بے ساختہ نکلا تھا سویڈ پھر بھونچکا سا رہ گیا۔

دل آویز جعفری اب اسے مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ "کون ہو تم۔۔۔؟" اس کی آنکھوں میں خوف اور غصہ تھا۔ وہ بے مقصد اس کی طرف بڑھ آیا۔ "وہی۔۔۔ جس کے ساتھ نصیب پھوٹے ہیں تمہارے۔"

"جاؤ۔۔۔ چلے جاؤ جاؤ یہاں سے۔" ایک لمحے میں رنگ بدل گیا تھا اس سے سویڈ کو کچھ سمجھنے کا موقع ہی نہ مل سکا اور دل آویز جعفری نے دیکھتے ہی دیکھتے بیڈ سے تکیہ اٹھا کر اسے دے مارا۔

"چلے جاؤ۔۔۔ میں جان لے لوں گی تمہاری جاؤ چلے جاؤ یہاں سے۔" بری طرح چلاتے ہوئے اس سے پہلے کہ وہ دسرا تکیہ بھی اٹھا کر اسے دے مارتی۔ سویڈ نے پھرتی سے ٹپک کر اسے قابو کر لیا۔ اس کا بھاری ہاتھ اس کے منہ پر جم کر اس کی آواز کا گلا گھونٹ چکا تھا۔ وہ اس کی مضبوط گرفت میں مچھلی کی طرح پھسل تڑپ رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں تمہارا گل ہو مگر میں تم سے بڑا پاگل ہوں! دل غمگن کیا تو سارا ماضی بھلا دوں گا، سمجھو۔۔۔"

مریم عباس کی آخری لمحوں میں کی گئی درخواست وہ قطعی بھلا چکا تھا۔

دل آویز جعفری کی حالت اس لمحے غیر ہونا شروع ہو گئی تھی۔ اس کا جسم اب سرور پڑ رہا تھا ہاتھ پاؤں مڑنے لگے تھے سویڈ کے ہاتھوں میں ہی اس کا خوشبوؤں سے مسمتا وجود ہوش و حواس سے بے گانہ ہو چکا تھا۔

سویڈ اس نئی افتاد کے لیے قطعی تیار نہیں تھا، مہمی اسے بیڈ پر سلا کر نیچے آیا اور پھر راحیلہ بی کی منت کر کے انہیں اوپر دل آویز کے پاس لے آیا۔ اگلے پندرہ منٹ کے بعد وہ عیسوہ کے پتلو میں لینا سونے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

دل آویز کو محفوظ ہاتھوں میں سونپنے کے بعد، عقیل جعفری اپنی تیکم کے ساتھ دوبارہ بیرونی ملک واپسی کی تیاری کر رہے تھے۔ قضیہ بی کی رحلت کے بعد انہیں اس ماحول میں اپنا دم خشنا ہوا محسوس ہو رہا تھا، انہی کی خواہش پر راحیل جعفری صاحب نے دل آویز کو ان سے ملوانے کے لیے سویڈ کے ساتھ "عقیل منزل" بھیجا تھا۔

عیسوہ کا حال دیکھنے والا تھا، وہ اس کے ساتھ جانا چاہتی تھی مگر سویڈ نے منع کر دیا، کیونکہ وہ اس کے معاملے میں ذرا سی لاپرواہی کا تحمل ہونا بھی نہیں چاہتا تھا۔ وہ گاڑی میں بیٹھا تھا جب راحیل جعفری صاحبہ دائیں بازو کے حلقے میں دل آویز کو لیے گاڑی کے قریب چلے آئے پھر خود اپنے ہاتھوں سے گاڑی کا دروازہ کھول کر اسے سویڈ کے برابر فرنٹ سیٹ پر بٹھایا تھا اور یہ سب اوپر سویڈ کے کمرے کے میز پر کھڑی عیسوہ باخوبی دیکھ رہی تھی۔

دل آویز کے ہوش رہا حسن کے باوجود سویڈ آؤری اس لا تعلقی نے اسے قدرے اطمینان بخشا تھا۔ راحیل جعفری سویڈ کو دل آویز کا خاص خیال رکھنے کی

تلقین کرتے واپس ملنے تھے کہ ابھی تھوڑی دیر میں انہیں بھی گاؤں کے لیے روانہ ہونا تھا۔

سویڈ 'دل آویز کی ہمراہی میں ابھی چند فرلانگ کا فاصلہ ہی طے کر پایا تھا کہ وہ جو پتھری صورت بنی، گم سم سی کھڑکی کے اس پار باہر کے نظاروں میں کھوئی گئی، اچانک بول اٹھی۔

"رک۔۔۔ رک جاؤ پلیز۔۔۔ رک جاؤ۔"

سویڈ گاڑیوں اس کی صدا پر فوراً سے پیٹھر بریک پر جا پڑا تھا۔ گاڑی رکتے ہی اس نے تھوڑی سی تنگ دوڑ کے بعد اپنی سائیڈ کا دروازہ کھولا اور سرپٹ سڑک پر بھاگ کھڑی ہوئی۔

"آؤ۔۔۔ آؤ رک جاؤ میری بات سنو آؤری پلیز۔"

بھاگنے کے ساتھ ساتھ وہ اب چلا بھی رہی تھی۔ سویڈ بکا بکا سا اسے دیکھتا رہ گیا۔ سڑک پر لوگ اب رک رک کر اس کی عزت کا تماشا دیکھ رہے تھے تاہم اس سے پہلے کہ وہ لپک کر اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے اسے قابو کرنا وہ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے 'دیوانہ وار' کسی گاڑی کے پیچھے بھاگتے ہوئے ایک موٹر سائیکل کی زد میں آئی۔

حادثہ اس قدر اچانک تھا کہ سویڈ کو کچھ کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ وہ تو موٹر سائیکل والے کی سپینڈ آہستہ تھی جس کی وجہ سے بچت ہو گئی ورنہ پٹھنے کی طرح جس طرح سے وہ ٹکرائی تھی اسے خاصی شدید قسم کی چو میں بھی لگ سکتی تھیں، جو جان لیوا ثابت ہو میں۔

سویڈ فوراً سے پیٹھر گاڑی سے نکل کر اس کی طرف بڑھا تھا، جو سڑک پر اونڈھے منہ پڑی تھی، یقیناً اس کے چہرے اور پیشانی پر زخم آئے تھے۔ وہ سرسری سا اس کا جائزہ لینے کے بعد اس کا نازک سا وجود بانٹوں میں سمیٹ کر اسے سسرال لے جانے کی بجائے سیدھا ہسپتال لے آیا تھا، تھوڑی دیر میں عقیل جعفری اور ان کی سسر کے ساتھ مریم عباس بھی اس کی اطلاع پر وہاں موجود تھی۔

ڈاکٹرز کے اچھی طرح اطمینان۔۔۔ نے کے بعد مسٹر

اور سسر عقیل کو 'دل آویز کے پاس چھوڑ کر وہ مریم عباس کے ساتھ اس کے کمرے سے باہر آیا تھا۔

"مریم مریم۔۔۔ اگر آپ محسوس نہ کریں تو میں آپ سے کچھ جانتا چاہتا ہوں۔"

"کیا جانتا چاہتے ہیں؟" اس کے چہرے پر اب بھی پائیت پھیلی تھی۔ وہ اس کے ساتھ چلتے چلتے رک گیا۔

"آؤ کون ہے؟" مریم اس سے جس سوال کی توقع نہیں کر رہی تھی وہی پوچھ لیا تھا اس نے۔ وہ چپ چاپ سی چند لمحوں تک خود سے الجھتی رہی پھر بولی۔

"بھائی تھا میرا۔۔۔ کچھ عرصہ پہلے ایک حادثے میں ڈھتھ ہو گئی ان کی۔"

"اودھ۔۔۔ ویری سید کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ دل آویز کا اس سے کیا رشتہ تھا؟"

"بچپن کا دوست تھا اس کا اور فیانسی بھی۔"

"بس۔۔۔ میرا مطلب ہے دوست اور فیانسی تھا تو لازمی طور پر دل اس سے محبت بھی کرتی ہوگی۔"

"پتا نہیں۔۔۔ میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے، میں بس صرف اتنا جانتی ہوں کہ وہ اس کا بہت خیال رکھتے تھے بہت پیار تھا انہیں دل آویز سے۔"

"ہوں۔۔۔ کیا یہی وہ صدمہ ہے جس کا ذکر آپ اس دن کر رہی تھیں؟"

"جی ہاں۔" اب کے مریم نے اپنے آنسو چھپانے کے لیے ذرا سا رخ پھیر لیا تھا۔

"دل آویز کسی طور اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے کہ آؤری بھائی اب اس دنیا میں نہیں رہے، اسی لیے وہ جو بھی ان سے ملتا جلتا انسان دیکھتی ہے اس کے پیچھے بھاگتی ہے اسے آؤری بھیا سمجھ کر اس سے باتیں کرتی ہے اگر کبھی کوئی اسے ہرٹ کرے تب زیادہ یاد آتے ہیں وہ اسے اسی لیے میں نے آپ سے گزارش کی تھی کہ آپ اس کا بھرپور خیال رکھیے۔"

"آپ شاید مجھے کرائے کا انسان سمجھتی ہیں مس

احساس کے تحت یک تک فکری باندھے اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

مسز عقیل کھانا لگا رہی تھیں جبکہ عقیل صاحب اب اس سے کہہ رہے تھے۔

"مجھے تمہارے جذبات و احساسات کا پورا خیال ہے سوید میں کسی طور تمہاری طرف سے عبور ہونی کے حقوق میں زیادتی کا خواہشمند نہیں کیونکہ وہ بھی مجھے اتنی ہی عزیز ہے جتنی کہ موی۔"

"موی۔؟" سوید کے لیے یہ نام قطعی غیر شناسا تھا جیسی وہ چونکے بغیر نہ رو سکا تھا۔ عقیل جعفری صاحب اب اسے وضاحت دے رہے تھے۔

"ہوں موی، دل تو بڑا کانگ۔ ہم نے جب یہ جھوٹی سی تھی تو بالکل موم کی گڑیا دکھائی دیتی تھی اسی لیے اس کی آغوش میں سے اس کا نام موی رکھ دیا تھا۔ گھر میں اور گھر سے باہر اپنی فریڈ کے لیے دل تو بڑا صرف موی ہی ہے۔" بڑے پیار سے بتاتے ہوئے ایک آواز کی مسکراہٹ نے ان کے لبوں کا احاطہ کر رکھا تھا۔ سوید کی نگاہ ایک مرتبہ پھر موی کے شانفہ چہرے کو چھو کر پلٹ آئی۔ عین اسی لمحے اس کے سیل پر عبور کی کل آئی تو وہ عقیل صاحب سے معذرت کر کے سائیڈ پر چلا آیا۔

"ہیلو۔"

"ہاں سوید۔ کہاں ہو؟ میں کب سے کھانا بنا کر تمہارا ویٹ کر رہی ہوں۔ آئے کیوں نہیں ابھی تک؟" اس کے ہیلو کہتے ہی وہ شروع ہو گئی تھی۔ سوید کو مجبوراً جھوٹ کا سہارا لینا پڑا۔

"دل تو بڑا طبیعت ٹھیک نہیں ہے بیہ۔ میں ابھی نہیں آسکوں گا۔"

"کیوں۔ تم اس کے ڈاکٹر ہو یا اس کے لپا ابھی سے کوچ کر گئے ہیں پاکستان سے؟" اسے اس کی معذرت چھی تھی سوید دھیرے سے مسکرا دیا۔

"ڈاکٹر نہ سہی اس کا شوہر تو ہوں۔"

"جی نہیں۔ تم صرف اور صرف میرے ہو اچھا۔ اس کے ساتھ محض کاغذی تعلق ہے تمہارا یاد

موم عباس کی روداد سننے کے بعد اس نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا اور موم سے انداز میں سراٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

"میری کزن ہے عبورہ بچپن سے دونوں ساتھ بڑھے ہیں۔ میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں مگر موم۔ اور وہ بھی بہت خیال رکھتی ہے میرا۔ آپ کو شاید یہ جان کر شاک لگے کہ میں آں ریڈی اس کا شوہر ہوں۔ ایسا شوہر جس کی تقسیم کے لیے وہ دلی طور پر سی طور راضی نہیں تھی۔"

اس کا رخ موم عباس کی طرف نہیں تھا ورنہ وہ اس کے چہرے پر بکھرنے والی۔ قد دی کو ضرور دیکھ لیتا تاہم اس کے سفید دودھیا ہاتھوں کی گرفت کو ریڈور میں دھرے لکڑی کے بیچ پر مضبوط ہوتی تھی۔

"آذر بھیا کی رحلت کے بعد میرے لیے یہ دوسری بڑے دکھ کی خبر ہے۔" اس کی بھیلی آواز پر وہ اس کی طرف پلٹا تھا۔ مگر موم عباس بنا اس کی طرف دیکھے پیچھے ہٹتے ہوئے تیز تیز چلتی گوریڈور سے نکلی گئی تھی۔ وہ دیر تک جتنے سبل سے بے نیاز اس کے تیزی سے اٹھتے ہوئے قدموں کو دیکھتا رہا گیا تھا۔

دل تو بڑا جعفری کی حالت قدرے سنبھل گئی تھی سوید ناچا جتے ہوئے بھی اس کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ ایک عرصے کے بعد بہت سا وقت اس نے عقیل جعفری کے ساتھ بتایا تھا۔ جو ماضی کے دھند لکوں میں کھوئے بہت دیر تک اسے اس کی بچپن کی بہت سی باتوں کے ساتھ ساتھ خود سے اس کی انیت کے قصے بھی سناتے رہے تھے۔ سوید کو پہلی بار احساس ہو رہا تھا کہ نفرت کے چکر میں وہ دھیلیا رشتہ داروں سے قطع تعلق کوئی ایسا بھی احسن اقدام نہیں تھا۔

عقیل صاحب اور ان کی تیم کے ساتھ موم عباس بھی لندن واپس اپنے والدین کے پاس جا رہی تھی سوید کی نگاہیں بار بار اس کی گود میں سر رکھے بیٹے کی آویز۔ جعفری کی سمت اٹھ رہی تھیں۔ جو جانے کس

اب اس کی طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔" وہ ٹھنکا تھا۔ ایک نظر عقیل صاحب اور مسز عقیل پر بھی ڈالی تھی۔ عمران کی نگاہیں بھی موم کے الفاظ کی ترجمانی کر رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے اثبات میں سر ہلا کر باہر کی طرف بڑھ گیا۔

موم نے اسے شانوں سے تھامے تھامے سوید کے برابر گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر لا بٹھایا تھا۔ وہ تمام راستے خاموش سی یوں بیٹھی رہی تھی جیسے گاڑی میں بالکل اکیلی ہو جس وقت وہ گھر پہنچے خاصی دیر ہو چکی تھی۔

عبورہ نے عین سی ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی بظاہر ہنسنے لگی تھی مگر اصل میں اسے سوید کی واپسی کا انتظار تھا۔ اب جو گاڑی کے بارن پر وہ الرٹ ہو کر بیٹھی تھی۔

سوید کے ساتھ دل تو بڑا کو دیکھ کر اس کا دل جیسے جل کر راکھ ہو گیا۔ سوید کے مطابق اگر اس کی طبیعت بہت خراب تھی تو پھر وہ اپنے پاؤں پر چل کر اس کے ساتھ گھر گئے آگئی تھی ہزار دوسو سے تھے جو اس کے صرف ایک جھوٹ کی آڑ میں اس کے دماغ میں گھس آئے تھے۔

اس کاشدت سے دل چاہا تھا کہ وہ سوید کو دو چار تھپڑ رسید کر کے پھر خوب روئے۔ سوید اسے لاؤنج میں بیٹھنے دیکھ کر فوراً اس کی طرف پکا تھا۔

"بیہ ایم سوری میں۔"

"جسٹ شٹ اپ سوید! جھوٹ کی بھی حد ہوتی ہے کوئی۔" اس کا چہرہ غصے کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا۔ سوید کی مشکل بڑھ گئی۔

"میری بات تو سنو یا۔"

"مجھے کچھ کہنا سننا نہیں۔ جاؤ عیش کرو اپنی نئی ٹولی بیکم کے ساتھ۔" غصے سے کہتے ہی وہ میزٹیوں کی طرف لپکی تھی۔ سوید نے بھاگ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔

"اتنی جلدی بدگمان ہو گئیں عبورہ۔؟"

"ہاؤ جھوٹو میرا۔" وہ اس کی طرف دیکھنے کی

روادار بھی نہیں تھی۔ سوید دکھ کی شدت سے اسے

دیکھتا زبردستی اس کا ہاتھ تھام کر اسے اوپر اپنے بیڈروم

رکھنا سوید! اگر تم نے اسے پیار کرنے یا چھونے کی کوشش کی تو میں اپنی جان دے دوں گی۔" وہ جذباتی تھی اور اس وقت بھی اس نے جذباتیت کا مظاہرہ ہی کیا تھا۔ وہ پھر مسکرا دیا۔

"بے وقوف ہو تم اور کچھ نہیں۔ ایک پاگل لڑکی سے بھی خدشات لاحق ہیں تمہیں؟"

"لڑکی پاگل ہے تو کیا ہوا۔؟ ہاؤ کا تو پاگل نہیں ہے نا ویسے بھی تم مردوں کی رال پٹکتے دیر نہیں لگتی۔"

"اچھا۔ مگر آپ بھول رہی ہیں محترمہ کہ اس مو کو اس شادی کے لیے مجبور کرنے والی بھی آپ ہی تھیں۔"

"ہاں تو شادی کے لیے مجبور کیا تھا نا۔ رو مینس بگھارنے کے لیے تو نہیں۔" وہ پھر جلی تھی۔ سوید اس بار فہم پڑا۔

"شادی ہو گئی تو اب شریعت کی رو سے رو مینس

بھی ضروری ہے مگر نہ انھ کا تھکا رہا ہوں گا۔"

"اوتھ۔؟" رو مینس۔ جب ظاہر ہو جاؤ تو آ

کر میری قبر پر فاتحہ بھی پڑھ جا نا۔" اس بار سلگ کر کہتے

ہوئے اس نے لا ٹن اس کنکٹ کر دی تھی۔ سوید

ہنس پڑا۔ دل تو بڑا اب بھی اسے دل

جسمی نگاہوں سے شے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"تجی پیاری لڑکی ہو تم۔ ذرا جھلس نہیں

ہو تم اپنی سوتن سے۔ خیر ہو بھی کیسے سکتی ہو؟ میں

کون سا تمہارا آذر عباس ہوں۔" پلٹ کر عقیل

صاحب کی طرف پڑھتے ہوئے اس کی نگاہ پھر دل تو بڑا

کی نگاہ سے ٹکرائی تھی اور اس نے دل ہی دل میں جیسے

اس سے مخاطب ہو کر کہا تھا۔

عبورہ سے بات ہونے کے بعد اس کی کوشش

فوراً گھر واپسی کی تھی مگر عقیل صاحب نے اسے

کھانا کھائے بغیر اٹھنے ہی نہیں دیا۔ کھانا کھانے کے

بعد وہ اٹھنے لگا تو موم نے دل تو بڑا کو بھی ساتھ تیار کر

دیا۔

"موی بھی آپ کے ساتھ جائے گی سوید بھائی۔"

قدم رکھا تھا، پر شکن کپڑوں اور نیند کی کمی سے سرخ
تھکی تھکی سی آنکھوں کے ساتھ اس کا حال موی پر
خوب واضح ہو رہا تھا، مگر وہ زیادہ دیر اس پر نگاہ نہ کر
رکھ سکی تھی۔

"توڑ بیٹے، تھوڑی دیر گھر جا کر آرام کر لو پچھلے تین
روز سے بے آرام ہو۔" مسز عقیل اس پر نگاہ پڑتے
ہی ہوئی تھیں۔ مگر وہ سرسری سی نگاہ موی پر ڈالتے
ہوئے اس کے بندے کے کنارے پر ٹک گیا۔

"میں ٹھیک ہوں آنی۔۔۔ البتہ آپ کو آرام کی
ضرورت ہے۔ پلیز آپ لوگ گھر چائے صرف آج کی
رات ہے۔ کل اللہ نے چاہا تو موی ہمارے گھر ہو
گی۔" ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ رف حلیے
میں بھی وہ بے حد پیارا لگ رہا تھا۔ موی نے اپنی
آنکھیں سختی سے میچ لیں۔

"میرا خیال ہے۔ میں موی کے پاس رک جاتی
ہوں، آپ لوگ جائیں۔" یعنی بروقت ہوئی تھی مگر
آزور نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔

"نہیں۔ میں نے کہا تھا میں یہاں ہوں مگر کوئی
ڈرائیو کر سکتی ہو پلیز ماما اور آنی وہ فیو کو گھر لے جاؤ
انہیں مجھ سے زیادہ آرام کی ضرورت ہے۔" وہ ضدی
تھا۔ یعنی موی کے سامنے اپنا بھرم کھونے کے ذریعے
پا چاہتے ہوئے بھی تیار ہو گئی۔ باہر شام گہری ہو رہی
تھی، آزر سب کو رخصت کرنے کے بعد کمرے میں
واپس آیا تو موی ڈبل تختے پر سر رکھے لیٹی چلیں موند
گئی تھی وہ چپ چاپ اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"تمہیں پتا ہے موی، آج تمہارا برتھ ڈے ہے؟"
اچانک وہ بولا تو موی کی آنکھیں پٹ سے کھل گئیں۔
"کبھی کبھی مجھے تم پر اتنا شدید غصہ آتا ہے کہ تمہارا
حشر نہ کرنے کو جی چاہتا ہے مگر۔۔۔ اگلے ہی پل میں
خود کو قطعاً بے بس محسوس کرتا ہوں، سمجھ میں نہیں
آتا تمہارا کیا کروں؟"

"ایم سو ری آزر، ایم ریٹی ویری سو ری۔" وہ اس
کے سامنے پھر رو پڑی تھی۔ آزر تڑپ اٹھا۔
"کس بات کی؟" موی نے اپنے ہاتھوں سے اس کے

میں لے آیا تھا۔
"بے اتنا حوصلہ تم میں کہ مجھے کسی دوسری عورت
کے ساتھ پیش کرتے دیکھ سکوں۔" اس کی آنکھوں میں
سرخی تھی۔ عجب وہ چپ چاپ رو پڑی۔

"نہیں ہے نا، اسی لیے کہتا ہوں یہ! میرے ضبط کا
امتحان مت لیا کرو ہزار بار کہہ چکا ہوں میرا جسم میری
ملک میری ہر سوچ صرف تمہارے لیے ہے، تمہارا
پیار اتنا کافی ہے میرے لیے کہ کسی اور کے لیے کچھ
سوچنے کی ضرورت ہی نہیں۔" اس بار نری سے کہتے
ہوئے اس نے عجب وہ کو اپنے حصار میں لیا تھا۔ وہ سختی
ہی دیر خفا خفا اس کے سینے سے لگی روٹی رہی تھی۔
سوید تو بھول ہی گیا کہ وہ نیچے ٹاؤن ج میں دل آویز عرف
موی نامی ایک حادثاتی پاگل لڑکی کو اکیلا ہی چھوڑ آیا
ہے، جو سکڑی سمٹی سی لڑکھنچ میں دھڑلے دی پر نگاہ
پڑتے ہی سسک اٹھی تھی۔

"آزر۔۔۔" بے خودی میں اس کے لب بار بار اسی
نام کا ورد کر رہے تھے جبکہ باہر شب جیسے اس پر ہنستے
ہوئے آہستہ آہستہ آگے سرکتی جا رہی تھی۔

"اب کیسی طبیعت ہے موی؟" آسیہ بیگم موی
کے پاس بیٹھی اس سے باتیں کر رہی تھیں۔ جب یعنی
نے مریم کے ساتھ وہاں انٹری دیتے ہوئے پوچھا۔
موی کی نگاہیں اٹھی تھیں اور اس کے ساتھ آزر کوٹہ پا
کر وہ پارہ پلٹ گئی تھیں۔

"ٹھیک ہوں۔" مگر کے سب افراتفر کے ساتھ ساتھ
وہ یعنی سے بھی عجیب سی جھجک اور شرمندگی محسوس کر
رہی تھی، جلنے اس کی بڑی کے بارے میں وہ بھی کیا
سوچتی ہوئی۔ مریم بید پر اس کے پہلو میں آ بیٹھی تھی۔
"تم بہت بری ہو موی قسم سے۔" منہ اس کے
کان میں گھسیٹتے ہوئے اس نے گدہ کیا تھا۔ موی کے
ہونٹ پر ایک افسردہ سی مسکان بکھر گئی۔

"نہوں۔۔۔" صبح بستی ہو مریم۔ "وہ جانے کس سوچ
کے حصار میں تھی۔ میں اسی کے آزر نے کمرے میں

"نہیں۔" نگاہ اس کے چہرے پر جمائے جمائے
اس نے نفی میں سر ہلایا تھا، جب وہ بولا۔

"تو پھر کچھ کھا کیوں نہیں رہی ہو؟"
"میری مرضی۔" وہ اسے تنگ کرنے کے موڈ میں
تھی۔ آزر مسکرا دیا۔

"نہیں باز آؤ گی نا تنگ کرنے سے؟"
"اوں ہوں۔" نفی میں گرہن ہلاتے ہوئے اس
نے آزر کی مسکراہٹ گہری کی تھی۔

"بہت پانی کروں گا۔۔۔ سوچو۔"
"سوچ لیا۔"

"چلو پھر ٹھیک سے، میرا ارادہ آج تمہیں کچھ
دکھانے کا تھا، مگر تم تنگ کرنے سے باز نہیں آؤ گی
تو پھر۔ میں بھی کچھ نہیں دکھانے والا۔" آزر اسے
بلیک میل کر رہا تھا۔ موی اسے دیکھتی رہ گئی۔

"میرا کچھ بھی کھانا تمہارے لیے اتنا ضروری تو
نہیں آزر۔" وہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی تھی جواب میں
آزر نے ایک ہلکی سی چپٹ اس کے سر پر سید کر دی۔
"تم یا گل ہو اور کچھ نہیں چلو شام باغ یہ سوپ پیو،
پھر میں تمہیں آؤ تنگ پر لے کر چلے ہوں۔"

"کیا یعنی بھی ساتھ جائے گی؟"
"نہیں۔ ابھی صرف ہم دونوں جا رہے ہیں اور
بس۔" اتنا مہمان ہو رہا تھا وہ اس پر موی کے لیے
سو سائیز کرنے کی یہ کوشش، جس کی وجہ اس نے کسی
کو بھی نہیں بتائی تھی، بہت سودمند رہی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد آزر اسے خود اپنے
ہاتھوں سے سوپ پلا کر باہر گاڑی تک لے آیا تھا۔

مسز عقیل اور آسیہ بیگم کے ساتھ ساتھ مریم اور
یعنی بھی اس وقت لان میں بیٹھے، موی کے نصیب پر
رشتک لر رہے تھے۔ آسیہ بیگم کا ارادہ جلد از جلد
دونوں بیٹوں کے فرض سے سبکدوش ہو جانے کا تھا اور
اس سلسلے میں موی کے بعد اپنے بڑے بیٹے کے لیے
ان کی نظر یعنی پر تھی، جس کے دل میں صرف اور
صرف آزر کے لیے پیار تھا، یا سر جاس کے لیے
نہیں۔ تاہم مگر میں کوئی بھی اس بات سے اگاہ نہیں

آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے پوچھا تھا جب وہ
بولی۔

"میں بہت خود غرض ہوں۔ بچپن سے اب تک
میں نے صرف اپنے لیے سوچا ہے، اپنی خوشی، اپنے غم
کے لیے۔ میں جو سانس بھی تمہارے لیے لیتی ہوں
تمہارے لیے تو کبھی کبھی سوچ ہی نہیں سکتی۔ بہت
تنگ دل ہوں میں آزر! پلیز مجھے معاف کر دو۔" وہ اب
بھی اپنی سوچ کے حصار میں تھی۔ آزر کے لب ہلکے
سے مسکرا رہے۔

"شکر ہے تمہیں اس بات کا احساس تو ہوا کہ تم
سختی بری ہو۔" موی کا نرم و نازک سا ہاتھ اس کی
گرفت میں تھا۔ وہ سر جھکا کر بوجھ مسکرا دی۔

"ہوں۔ مگر تم بہت اچھے ہو، کبھی تو ہر مشکل میں
سب سے پہلے صدا میں تمہیں دیتی ہوں۔"

"وہ تو میں ہوں۔ خیر آئندہ اگر تم نے ایسی کوئی
افضل حرکت کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا موی میں
کچھ تمہارا حشر نہ کر کے رکھ دینا گا۔" دیکھتے سے
مسکراتے ہوئے وہ فوراً "مجیدہ ہو ا تھا۔ موی تم
آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"میں تمہارے بغیر نہیں جی سکتی آزر، ایک پل بھی
نہیں۔" اس کی آنکھیں آزر کے چہرے پر جمی چچ چچ
کر رہی تھیں، مگر ہونٹوں پر چپ کا بھاری نقل پڑا
تھا۔

تھوڑی دیر بعد یونہی آزر کو دیکھتے، اس سے باتیں
کرتے، اس کی آنکھ لگ گئی تھی، مگر وہ اس رات
بھی نہیں سویا تھا۔ موی کا کبھی ٹھیک کر کے دیر تک
اس کے سر ہانے بیٹھا وہ اس کے دل کش موی چہرے
کو دیکھتے ہوئے بنا اپنی آنکھوں کی پروا کیے، جانتی
آنکھوں سے جانے کیسے کیسے خواب دیکھتا رہا تھا۔

"موی۔۔۔ درد تو نہیں ہو رہا؟" آزر کا اس کے
کمرے میں وہ نچوٹا چکر تھا۔ موی کا دل اس کی اس
درجہ توجہ پر خوشی سے بھر گیا۔

تھا۔ موی کو ایک مدت کے بعد زندگی بے حد پیاری لگ رہی تھی۔
”آزرا۔ ایک سوال پوچھوں سچ جواب دو گے؟“

”پوچھو۔“ تمام مصروفیات بھلائے وہ صرف اس کا ہو کر رہ گیا تھا۔
”کیا اب بھی تم کسی سے پیار نہیں کرتے؟“
”کرنا ہوں۔“ آزرا اس کی آنکھیں سمجھ رہا تھا، تبھی مسکرایا۔

”کس سے؟“
”یہ تمہیں کیوں بتاؤں۔“ کچھ تو سیکرٹ بھی رہنے دو۔
”کیوں۔“ کیا اب میں تمہاری دوست نہیں رہی۔“

”دوست ہو اسی لیے تو بتا نہیں رہا۔ تمہارا کوئی پتا چلتا ہے کب کیا کرو ویسے بہت جلد اس راز سے پردہ اٹھنے والا ہے۔“ کیونکہ میں نے ممانے کہہ دیا ہے جلدی سے میری شادی کر دیں نہیں تو پھر کچھ بھی ہو سکتا ہے۔“ اس کی مسکراہٹ موی کی لواہی میں اضافہ کر رہی تھی وہ پھر کتنی ہی دیر تک اس سے کوئی سوال نہ کر سکی آزرا نے گاڑی ایک زیر تعمیر عمارت کے سامنے روکی تو اس کا انتہاک ٹوٹا۔

”او موی۔“ تمہیں وہ تاج محل دکھاؤں جو میں نے اپنی ممتاز بیگم کے لیے تعمیر کروایا ہے۔“ وہ اتنا خوش اور پر جوش تھا کہ موی اس کے ہاتھ میں دبے اپنے ہاتھ لے دیا تو اسے اس کی شدت محسوس کر سکتی تھی۔

”یہ دیکھو یہ لان ہے یہاں میں دنیا بھر سے تالیاب قسم کے پودے اور پھول لاکر لگاؤں گا اور پھر میں اور میری ممتاز بھالے میں اپنے بچوں سے روٹھ کر بیٹیں ایک دوسرے کا غم مٹانے کے لیے پھول بیٹھے رہیں گے اور یہ دیکھو یہ اطالوی طرز کا چکن ہے جب میں آفس سے تھک کر آیا کروں گا تو میری ممتاز بیگم مصروف ملا کریں گی مجھے اور یہ یہ ہمارا ایندروم ہے میں

”یہ رنگ دیکھو اچھی ہے نا میری ممتاز کے ہاتھ میں بہت پیاری لگے گی۔“ مارکیٹ پہنچ کر سب سے پہلے وہ جیولرز شاپ میں گھسنا تھا۔ موی نے رنگ فوراً انگلی سے اتار دی۔
”چلو ڈریس دیکھتے ہیں۔“ ہو سکتا ہے فیکسٹ

ویک میں ماما میری شادی کا لنکشن رکھ دیں۔ تو اچھے کپڑے تو ہونے چاہیں نا تمہارے پاس۔“ اپنے ہی انداز میں کہتا، بنا اس کے احساسات کی پروا کیے وہ اب اسے ساتھ لیے ’بوٹیک‘ میں گھس رہا تھا۔ موی جیسے بے اختیار سی اس کے ساتھ کھینچتی جا رہی تھی۔
”یہ بلیک ڈریس دیکھو پیارا ہے نا۔“

”جی نہیں۔“ تمہاری شادی پر بلیک ڈریس نہیں پہننا چھبے۔“ پہلی بار اس نے لب کھولے تھے۔
آزرا کن آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتا زیر لب مسکرا دیا۔

”اور کیا ڈریس پہننا ہے میری شادی پر؟“
”جیسا تمہاری بیوی پہنے گی بالکل ویسا ہی۔“
”نہیں یار وہ تو دلہن ہوگی تم کوئی دلہن تھوڑی ہو گی۔“

”تو کیا ہوا بس مجھے یہ بلیک ڈریس نہیں پہننا۔“
”تم یہی بلیک ڈریس پہنو گی بس میری پسند ہے۔“
”خودی ہو انا تھا۔ موی بھی ضد میں آئی۔
”میں یہ بلیک ڈریس نہیں پہنوں گی۔ اتنا ہی پسند ہے تو اپنے محبوبہ کو گفٹ کرو۔“

”او گے یہ بھی ٹھیک ہے چلو پھر تم یہ بلوسوٹ پہنو گی یہ بھی بہت اچھا لگا ہے مجھے۔“ ڈارک بلوسوٹ جس پر خالص نیپنوں کا بنا پھلکا کام ہوا تھا اٹھاتے ہوئے اس نے کہا تو موی خنجر تھی۔

”مجھ پر فرض نہیں ہے کہ تمہاری پسند کا ڈریس ہی پہنوں۔ اب میری اپنی بھی کوئی پسند ہے۔“
”کوئی مارو اپنی پسند کو۔ بس تم یہ بلوسوٹ پہنو گی۔“
”چلو اب جو زیاں بولوں تمہیں۔“
”مجھے نہیں لگتی جو زیاں۔ بس اب گھر چلو۔“

”اول ہوں۔“ تمہارے ہاتھوں میں جو زیاں بہت اچھی لگتی ہیں وہ تو شکر کرو ابھی یعنی ساتھ نہیں آئی، مگر نہ اس نے تو ساری جیب خالی کر دینی تھی میری کل اس کے حوالے سے بھی ایک زبردست سربراہز دوں گا تمہیں۔“ وہ ایک لمحے کے لیے بھی اس کا ہاتھ نہیں چھوڑ رہا تھا، موی کے اندر کی ساری خوشی ماند پڑ

گئی۔
”چلو اب مزے کی آکس کریم کھلاتا ہوں تمہیں زیادہ ہیوی کھانا تو کھا نہیں سکو گی تم۔“ رنگا رنگ چوڑیوں کے کئی پیکٹ اپنی پسند سے خریدنے کے بعد وہ اس سے کہہ رہا تھا۔ موی لا تعلق سی چپ چاپ اثبات میں سر ہلا گئی۔

”آج بڑے فیاض اور مہربان ہو رہے ہو خیر ہے نا۔“
”ہوں تمہیں کیا لگتا ہے خیر نہیں ہے۔“ وہ ہنسا تھا۔ موی خاموش رہی۔

”میرا دل چاہتا ہے موی۔ بس آج تم میرے ساتھ رہو بہت دیر تک۔“
”کیوں کیا آج کے بعد تم پر پابندی لگ جائے گی؟“
”کیا پتا۔“ شائے اچکاتے ہوئے اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور مسرور سافرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

”ایک نظم سنو گی؟“ وہ خاموش سی کھڑکی کے باہر دیکھ رہی تھی جب آزرا گاڑی کو مین روڈ پر لاتے ہوئے بولا۔

”ہوں۔“ نہیں بھی سنوں گی تو تم کون سا شائے بغیر رہ جاؤ گے۔“ وہ اس کے الفاظ پر مبہم سا مسکرایا تھا۔

”خاصی سمجھ دار ہو گئی ہو۔“ موی نے اسے ایک نظروں کیٹا اور پھر نگاہ پھیر لی۔

پائل لڑکی تم سے مل کر یوں لگتا ہے جیسے خواب کی رانی تو ہے میری پریم کمانی تو ہے تیری اچھی کرنی پلکیں نہیں کھیلے ہونٹ ریلے مل جل کر بے کل کرتے ہیں دوش نہانے کو کیا بنا مجھ کو خود سے ڈر لگتا ہے صحرا جیسا گھر لگتا ہے برست کی بو چھائیں ہیں قاتل سچ پوچھو تو مجھ کو اب بھی

مرجانے کی آس نہیں ہے
بارش مجھ کو اس نہیں ہے!

اس کا لہجہ ہمبصر ہو رہا تھا۔ موی چاہتے ہوئے بھی
چپ نہ رہ سکی۔

"ویری گڈ۔۔۔ نعم تو اچھی ہے مگر اس نعم کا پس
منکر کیا ہے؟"

"وہ کل بتاؤں گا، جب یعنی کو لندن کے لیے
ایئر پورٹ چھوڑنے آئیں گے۔" بے خیالی میں وہ

اسے بتا گیا تھا۔ موی چونک اٹھی۔

"یعنی لندن جا رہی ہے؟"

"ہوں۔" آذر نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"کیوں؟"

"اپنے بچہ کو مس کر رہی ہے۔۔۔ ویسے بھی وہ لندن
جائے گی تو تم اسے وہاں سے رخصت کروا کر سوہنا کر
مہر لائیں گی نا۔"

مکمل توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز رکھے وہ بتا رہا تھا۔
موی کے اندر جیسے دھڑکتا، جھٹکتا دل ساکت ہو کر رہ

گیا۔ اس کے ہونٹ جیسے مزید کچھ بولنے سے ہی قاصر
ہو گئے۔ سن ہوتے اعصاب کے ساتھ وہ آذر کے ہلکی

ہلکی بڑھی ہوئی شیو والے خوب صورت چہرے کو
دیکھتی رہ گئی تھی۔ عین اسی لمحے اس کا سہل بجا تھا۔

کل قرۃ العین کی تھی۔

"ہیلو آذر۔"

"ہاں بولو یعنی۔" ایک ہاتھ سے کار ڈرائیو کرتے
ہوئے اس نے دوسرے ہاتھ سے سیل فون سے لگایا

تھا۔ موی کا دھڑک رہا دل بے زاری مزید بڑھ گئی۔

"لو یا راب تو کافی آگے نکل آئے ہیں خیر یو ڈونٹ
دوری میں لانا ہوں۔" کل ڈرائیو کرتے ہوئے اس

نے کہا۔ پھر ایک نظر موی کو دیکھتے ہوئے گاڑی
ریورس کر لی۔

"سوری موی۔۔۔ وہ یعنی نے پرسوں سے مجھے کچھ
لیبلٹس کے لیے کہا ہوا ہے ہارٹ چین ہوتا ہے اسے

مگر میں تمہاری وجہ سے اتنا پریشان تھا کہ روز بے یاد
نہیں رہتا ہے چاری کیا سوچتی ہوگی۔" کتنی فکر تھی

اسے یعنی کی موی بنا اس کے الفاظ پر غور کیے اپنی خود
ساختہ آگ میں جلتی رہی گاڑی ایک مرتبہ پھر ہجوم

راستوں پر دوڑ رہی تھی۔ وہ لا تعلق سی بنی بیٹھی رہی۔

"تم نہیں روکو۔۔۔ میں بس دو منٹ میں دوالے کر
واپس آتا ہوں۔" گاڑی ایک شاندار کلیٹک کے

ساتھ روکتے ہوئے اس نے بائیں ہاتھ سے آہستہ
سے موی کا گل چھوا تھا۔

"آذر۔" وہ ابھی گاڑی سے نکلا تھا کہ اس نے پکار
لیا۔

"ہوں۔" وہ پلٹا تھا جب وہ اچانک ڈوبتے دل کی
کیفیت سمجھے بغیر بولی۔

"جلدی آنا۔"

"اوکے۔۔۔ پاگل ہو تم اور کچھ نہیں۔" ذرا سا
مسکراتے ہوئے اس نے سر جھٹکا تھا۔ موی کی

آنکھوں میں آپسی آپ کی اتر تلی۔

"میں تمہارے بغیر نہیں جی سکتی آذر۔ ایک پل
بھی نہیں۔" خوب زور سے پلٹیں پھرتے ہوئے اس نے

سر میٹ کی پشت سے ٹکا ہوا تھا اور موی وہ لمحہ تھا جب
اس کے کانوں نے ایک زوردار دھماکے کی آواز سنی

تھی اسے لگا جیسے اس کی کار بلاسٹ ہو گئی ہو وہ چیختی
تھی اور ہر طرف پھیلتے دھوئیں میں اس نے آخری

آواز آذر کو دی تھی۔ پھر اس کے بعد اس کا ذہن
مکمل اندھیرے میں ڈوب گیا تھا۔

پورے تین روز کے بعد وہ ہوش میں آئی تو اس کا
وجود ہسپتال کے شفاف بستر پر بے سدھ پڑا تھا۔ اسے

پہلی بار آنکھیں کھولنے میں شدید دشواری پیش آئی
تھی۔ سارا جسم شدید درد کے حصار میں تھا۔ آنکھ کھلتے

ہی سب سے پہلے اس کی آنکھ کے سامنے جو چہرہ آیا تھا
وہ اس کی ماں کا تھا جو حال سے بے حال دکھائی دے

رہی تھیں۔

"مما۔ آذر۔" اس کے لبوں نے جنبش کی تھی۔
سبز عقل پھپک کر رو پڑیں۔

"آذر۔" اس بار اس نے زیادہ تڑپ کر شدت
سے اسے پکارا تھا۔ بھی یعنی بولا تھی۔

"آذر نہیں رہا موی۔۔۔ ہی از ڈیڈ۔"

"ہی از ڈیڈ۔" یہ الفاظ موی کے ذہن پر کسی
ہتھوڑے کی طرح لگے تھے۔ اس کے ذہن پر دباؤ بڑھا

تھا اور آنکھیں جیسے پھر سے بند ہونا شروع ہو گئی
تھیں۔

اس روز کے بعد اسے صحیح معنوں میں ہوش میں
آنا نصیب ہوا ہی نہیں جب بھی ہوش میں آتی چپخنے

چلانے لگتی یا پھر سہم کر گھنٹوں بواروں کو گھورتی رہتی
آذر کی شبیر اسے ہر شے میں گھائی دیتی تھی۔ اس کا

ذرا سا مسکرا کر سر جھٹکا اس کے ذہن سے اٹھتا ہی
نہیں تھا۔ وہ سارے دن پکیں موندے لپٹی اس کے

لبوں سے ادا ہونے والی نعم "یارش مجھ کو اس نہیں
ہے" ذہن میں دہرائی رہتی تھی! یعنی لندن واپس جا

چکی تھی، آسیرہ جیکہ کو بھی پاسرو ہیں لے گیا تھا کچھ ماہ
کے لیے مسز عقل اور عقلیل صاحب بھی موی اور

مریم کے ساتھ لندن میں ہی رہے تھے پھر پھر موی کی
طبیعت زیادہ خراب ہونے پر ڈاکٹرز نے جب اس کے

لے نو دی شلوی کا ایک آپشن رکھا تو وہ فوراً ہی پاکستان
چھ آئے موی کو جنبا لے گئے لیے مریم بھی ان کے

ساتھ ہی پاکستان چلی آئی تھی

پاک سرزمین کی پاک فضا میں اس روز ہسپتال کے
قریب ہونے والا وہ خود کش حملہ کوئی غیر معمولی بات

نہیں تھی اس محلے میں ضائع ہونے والی ساری قیمتی
جانیں عام لوگوں کی تھیں۔ کسی وزیر کسی مشیر کا کوئی

بیٹا نہیں مرا تھا لہذا حکومتی سطح پر صرف چند مزاحمتی
جملوں کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہوا تھا مگر لوگوں

کے جان و مال کے محافظان گندھوں کی حکمرانی میں
بے قصور لقمہ اجل بننے والے ان سینکڑوں افراد سے وابستہ

جانے کتنے خاندانوں سے زندگی جیسے روٹھ گئی تھی۔

اقتدار کے نشے میں چور۔۔۔ صرف اپنی عیاشیوں
اور آسائشوں کے لیے بے بس مظلوم لوگوں کی جانوں

پر سیاست کرنے والوں کے لیے۔ آذر عباس کی
ناگسالی موت کوئی معنی نہیں رکھتی تھی مگر موی کو

ساری فضا اس شہزادے کی حادثاتی موت پر سسکیں

یعنی سنائی دیتی تھی۔

رات دھیرے دھیرے اپنا بیچلا سفر طے کر رہی تھی۔
موی بال کمرے سے نکل کر سست روی سے

بے خود سی چلتی باہر آگئی۔ دور آسمان پر سب سے زیادہ
روشن دکھائی دینے والا ستارہ آہستہ آہستہ سرکتاب

جیسے عین اس کے سر پر پہنچ گیا تھا۔ شدید ٹھنڈ کے
باوجود اسے اپنے جسم سے ٹکراتے سرد ہوا کے شر

جھونکوں سے کوئی فرق نہ مانتا محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

مسلسل کئی گھنٹے گزرے رہنے سے اس کے پاؤں
سو ج رہے تھے مگر اسے بھلا اس کا احساس ہی گملاں

تھا۔ نرم نرم سی بھگی آنکھوں میں پھیلے سرخی کے ڈورے
اسے وحشت ناک بنا رہے تھے مگر تھا کہ جیسے درو کی

شدت سے بھٹ رہا تھا مگر وہ بے حس سی کھڑی آسمان
کو دیکھ رہی تھی۔

اس کی سماعتوں میں اب بھی بارود پختہ تھا اب بھی
دھماکے کی زوردار آواز اسے ہوش و حواس سے

بے گانہ کر کے رکھ دیتی تھی مگر ایک جہر کا درد تھا جو جان
لیوا ہو رہا تھا۔ آذر کی موت کے بعد اسے یہ پتا چلا تھا کہ

اس کی ممتاز وہ خود تھی۔ دل آویز جعفری۔

وہ تصویر جس سے وہ فرصت کے لمحات میں باتیں
کیا کرتا تھا، اسی کی تصویر تھی اس کی موت کے بعد

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے

قائرہ افتخار کے 4 خوبصورت ناول

آئینوں کا شہر قیمت 500/- روپے
بریل مسلمان بڑی گیارہ قیمت 500/- روپے
یہ گیارہ بڑے ناول قیمت 300/- روپے
بھلاں دے رکھتے ہزار قیمت 250/- روپے

ناول نگاران کے لئے نئی کتاب ڈاک فرم 45/- روپے
مکانات کا پتہ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - بازار کراچی۔ فون نمبر: 32735021

اس کے سارے راز افشا ہو گئے تھے "آزر کے اس کے لیے خریدے ہوئے گفٹ 'لانا' اس کی الماری میں ان چھوٹے پڑے تھے "اس کی ادھوری ڈائری جس میں اس کے بزاروں خواب لفظوں کی صورت و فن تھے آخری وقت میں جو شاپنگ اس نے اس کے لیے کی تھی۔ وہ ساری چیزیں بھی گاڑی میں جوں کی توں پڑی رہ گئی تھیں بس ایک رنگ تھی جو اس کی پاکٹ میں ہونے کے باعث اسی کے ساتھ ختم ہو گئی تھی۔

"دل آویز۔ سوید کی آنکھ کھلی تھی۔

وہ پانی پینے کے لیے نیچے کچن میں آیا تھا جب دل آویز کو کمرے میں نہ پا کر ہاں کمرے سے باہر نکل آیا مگر وہ اس کی پکار پر نہیں پلٹی تھی سبھی وہ اس کے قریب آیا تھا۔

"دل آویز۔" اس بار نرمی سے پکارتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھ اس کے شانوں پر دھرے تھے "سبھی وہ حیران حیران سی پلٹی تھی۔

"اتنی رات گئے یہاں کیا کر رہی ہو۔ کسے ڈھونڈ رہی ہو وہاں آسمان پر۔"

"وہ وہاں ایک ستارہ نہیں ہے مہم میں روزا سے اپنے کمرے کی کھڑکی سے جھک گاتے ہوئے دیکھتی تھی مہم ٹکرا رہا تھا وہاں نہیں ہے۔" وہ پریشان ہو کھائی دے رہی تھی سوید کی نگاہیں بھی آسمان پر جم گئیں۔

"سودی بڑھ رہی ہے دل آویز۔ اندر چلو۔" کچھ ہی لمحوں میں تھک کر وہ اسے کہہ رہا تھا۔ موی خالی خالی سی نگاہوں کے ساتھ واپس پلٹ آئی۔

اس رات صبح فجر کی نماز کے قریب کہیں اس کی آنکھ لگی تھی اور پہلی بار اس نے آزر کے ساتھ سوید کو دیکھا تھا۔ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ندی کنارے بیٹھے کچھ کھا رہے ہوتے ہیں سوید آزر سے گلے مل کر رخصت ہوتا ہے تو وہ موی کا ہاتھ تھام کر اسے سوید کے ہاتھ میں دے دیتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ اس کا خیال رکھے سوید موی کو ساتھ لے کر رخصت ہوتا ہے تو اس کی گاڑی ایک درخت سے ٹکرا جاتی ہے۔ سوید

آزر کا لہو لہان چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے اور وہ چیختی ہے عین اسی لمحے اس کی آنکھ کھل گئی۔ سوید اس وقت اسی کے کمرے میں موجود کوئی چیز تلاش کر رہا تھا۔ جب وہ فلک شگاف چخ کے ساتھ بے وار ہو گئی۔ وہ پلٹ کر فوراً اس کی طرف لپکا تھا۔

"دل آویز۔ آریو اوکے۔؟" عبیدہ نیچے کچن میں اس کے لیے ناشتا تیار کر رہی تھی۔ موی کی بیٹی پر وہ بھی اوپر چلی آئی۔ دل آویز اب سسکی سسکی سی نگاہوں سے سوید کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

عبیدہ کو سوید کی موی کے پاس موجودگی تپا مٹی تھی۔ وہ خاموشی سے پلٹ گیا۔

"کچھ نہیں میرا کمرہ ایک ضرور فائل لینے آیا تھا۔"

"اوکے چلو نیچے ناشتا تیار ہے۔" کہنے کے ساتھ ہی اس نے اپنا بازو سوید کے بازو کے گروپٹ دیا تو موی چل کر بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نہیں۔۔۔ تھک گئی ہیں نہیں جاؤ گے۔" اس کا ذہن اب بھی خواب والے حادثے کے حصار میں تھا۔

عبیدہ حیران حیران سی سلگ اٹھی۔

"یہ کیا بکواس ہے۔ تم تو کہتے تھے یہ پاگل ہے۔ پھر یہ الفت یہ استحقاق میری آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہوتا تم۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے عبیدہ۔ میں تو ابھی کمرے میں آیا ہوں یہ شاید خواب میں ڈر گئی ہے اسی لیے ایسا کہہ رہی ہے۔" نرمی سے کہتے ہوئے اس نے عبیدہ کو اپنے حصار میں لیا تھا۔ جب موی بول اٹھی۔

"آزر۔۔۔ تھک گئی ہیں اس کے نہیں ہو مجھے سب پتا چل گیا ہے۔ تھک کر صرف میرے ہو۔ تھک گئیں نہیں جاؤ گے وہاں آگ ہے تم وہاں نہیں جاؤ گے۔"

اس کی گردن اور پیشانی پسینے سے تر تھی۔ سوید شرمندہ اور حیران سا اسے دیکھتا رہ گیا جو اس کا وہ سراپا تو تھا رہی تھی۔ عبیدہ کا دماغ گھوم گیا۔

"سن لیا۔ کیا کہہ رہی ہے یہ پاگل اب بھی کچھ

کہنے کے لیے ہے تمہارے پاس۔" وہ چلائی تھی۔ موی اس کے احساسات سے قطعی بے نیاز سوید کے بازو سے لگ گئی۔

"رہو اسی کے ہو کر۔ مجھے عی ہوئی محبت نہیں چاہیے۔" کہنے توڑ نگاہوں سے دونوں کو دیکھتے ہوئے وہ مٹی سے کھتی کمرے سے نکل گئی تھی سوید نے بے زاری سے اپنا بازو موی کی گرفت سے چھڑا کر اسے قریبی بیڈ پر خلیل دیا۔

"پاگل ہو۔ پاگل ہی رہو مجھے پاگل مت کرو پلیز کتنی بار کہوں کہ میں تمہارا آزر عباس نہیں ہوں۔"

خفہ سے کہہ کر وہ فوری کمرے سے باہر نکل گیا تھا موی کی آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ پھینکا اور بائیں گال پر نر چلکا وہ اہو نٹوں میں جذب ہو گیا۔

عقیل صاحب اپنی وائف اور مویم کے ساتھ لندن روانہ ہو گئے تھے۔

رواں مٹی سے عین طرز قبل ہی دل آویز عقیل منزل پہنچی آئی تھی جہاں مویم زیادہ وقت اسے اپنے ساتھ رکھے ہوئے اس سے آزر کی باتیں کرتی رہی تھی اسی روز وہ موی کو آزر کے خوابوں کے گھر اس کے زیر تعمیر تاج محل میں لائی تھی جس کے بارے میں صرف مویم ہی جانتی تھی اسی نے موی کو آزر کے کمرے میں اس کے لیے رکھی چیزیں اور وہ تصویر بھی دکھائی دی جس سے موی کی بد گمانیاں آزر کے لیے بڑھی گئیں۔

تاج محل میں ایک مرتبہ پھر موی کی حالت شدید بگڑ گئی تھی "بھی مویم کو مجبوراً سوید کو کل کر کے اسے وہاں بلوانا پڑا۔ وہ ایک ضروری میٹنگ میں مصروف تھا۔"

مویم کی کال پر پہلی فرصت میں وہاں پہنچا اور پھر دونوں اس گھر سے باہر نکل گئے سوید نے اپنا سیل آف کر دیا تھا۔ جس سے عبیدہ کی الجھن بڑھی تھی وہ دن میں جب تک اسے پیچاس فون نہیں کر لیتی تھی اسے سکون نہیں ملتا تھا۔ آج کل تو ویسے بھی وہ تحقیق کے عمل سے گزر رہی تھی لہذا سوید خود ہی سارا دن اس

سے رابطے میں رہتا اور اسے خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا۔ تاہم اس روز موی کی حالت ہی اتنی بگڑ گئی تھی کہ اسے مجبوراً "عبیدہ کی قفلی سے بچنے کے لیے اپنا سیل آف کرنا پڑا۔ دن کے بعد شام بھی ڈھل گئی تھی۔ عبیدہ کی طبیعت بگڑنا شروع ہو گئی اور مویم جو اپنا سامان بھی پیک کر چکی تھی۔ تاج محل کی ادھوری تعمیر کے بارے میں سوید کو سب کچھ بتاتے ہوئے بولیں۔

"یہ گھر موی کی زندگی میں بہت اہمیت رکھتا ہے سوید بھائی اسی لیے اس کی طبیعت اتنی خراب ہوئی آپ دعا کیجیے اسے سکون کی زندگی تو نصیب نہیں ہوئی سکون کی موت ہی نصیب ہو جائے۔" وہ از حد آزرہ تھی۔ سوید گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

رات خاصی تاخیر سے وہ گھر واپس لوٹا تو چونکہ کیدار سے حالات کا پتا چلا۔ عبیدہ کی طبیعت بگڑ گئی تھی اور راحیلہ بی اس سے رابطے کی تمام تر کوشش کے بعد ناکام ہو کر آگئی تھی اسے باہر نکلنے لے گئی تھیں۔ سوید کے پاس تلے سے زمین نکلی تھی، تھکن سے چور اس نے چونکہ کیدار سے باہر نکلنا اور فوراً گاڑی نکال لی۔ عبیدہ ابھی لیبر روم سے باہر تھی ڈاکٹرز کے مطابق اس کی ڈیوری بغیر مہر آپریشن کے ممکن نہیں تھی۔ وہ رو رہی تھی جب سوید آزر اس کے پاس پہنچا۔

"بیہ۔۔۔ یہ ایم سوری میں ایک مسئلے میں پھنس گیا تھا سیل کے سگنل بھی کام نہ کر رہے تھے تم ٹھیک ہو نا۔"

"ابھی تو ٹھیک ہے مگر ڈاکٹرز نے ڈیوری کے لیے مہر آپریشن کا کہا ہے۔" راحیلہ بی کے لہجے میں ہلکی سی قفلی تھی۔ وہ بھی پریشان ہو گیا۔

"لیکن۔۔۔ اس سے پہلے تو ڈاکٹرز سب ٹھیک ہے کہ رپورٹ دیتے رہے ہیں۔"

"ڈاکٹرز کا کیا ہے۔ جب چاہیں سیاستدانوں کی طرح اپنا بیان بدل لیں تمہارے پیٹا شمر سے باہر ہیں میں اکیلی عورت کیا کیا کروں۔"

"ایم سوری ماما۔ میں واقعی ایک مسئلے میں

سے رابطے میں رہتا اور اسے خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا۔ تاہم اس روز موی کی حالت ہی اتنی بگڑ گئی تھی کہ اسے مجبوراً "عبیدہ کی قفلی سے بچنے کے لیے اپنا سیل آف کرنا پڑا۔ دن کے بعد شام بھی ڈھل گئی تھی۔ عبیدہ کی طبیعت بگڑنا شروع ہو گئی اور مویم جو اپنا سامان بھی پیک کر چکی تھی۔ تاج محل کی ادھوری تعمیر کے بارے میں سوید کو سب کچھ بتاتے ہوئے بولیں۔

"یہ گھر موی کی زندگی میں بہت اہمیت رکھتا ہے سوید بھائی اسی لیے اس کی طبیعت اتنی خراب ہوئی آپ دعا کیجیے اسے سکون کی زندگی تو نصیب نہیں ہوئی سکون کی موت ہی نصیب ہو جائے۔" وہ از حد آزرہ تھی۔ سوید گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

رات خاصی تاخیر سے وہ گھر واپس لوٹا تو چونکہ کیدار سے حالات کا پتا چلا۔ عبیدہ کی طبیعت بگڑ گئی تھی اور راحیلہ بی اس سے رابطے کی تمام تر کوشش کے بعد ناکام ہو کر آگئی تھی اسے باہر نکلنے لے گئی تھیں۔ سوید کے پاس تلے سے زمین نکلی تھی، تھکن سے چور اس نے چونکہ کیدار سے باہر نکلنا اور فوراً گاڑی نکال لی۔ عبیدہ ابھی لیبر روم سے باہر تھی ڈاکٹرز کے مطابق اس کی ڈیوری بغیر مہر آپریشن کے ممکن نہیں تھی۔ وہ رو رہی تھی جب سوید آزر اس کے پاس پہنچا۔

"بیہ۔۔۔ یہ ایم سوری میں ایک مسئلے میں پھنس گیا تھا سیل کے سگنل بھی کام نہ کر رہے تھے تم ٹھیک ہو نا۔"

"ابھی تو ٹھیک ہے مگر ڈاکٹرز نے ڈیوری کے لیے مہر آپریشن کا کہا ہے۔" راحیلہ بی کے لہجے میں ہلکی سی قفلی تھی۔ وہ بھی پریشان ہو گیا۔

"لیکن۔۔۔ اس سے پہلے تو ڈاکٹرز سب ٹھیک ہے کہ رپورٹ دیتے رہے ہیں۔"

"ڈاکٹرز کا کیا ہے۔ جب چاہیں سیاستدانوں کی طرح اپنا بیان بدل لیں تمہارے پیٹا شمر سے باہر ہیں میں اکیلی عورت کیا کیا کروں۔"

"ایم سوری ماما۔ میں واقعی ایک مسئلے میں

سے رابطے میں رہتا اور اسے خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا۔ تاہم اس روز موی کی حالت ہی اتنی بگڑ گئی تھی کہ اسے مجبوراً "عبیدہ کی قفلی سے بچنے کے لیے اپنا سیل آف کرنا پڑا۔ دن کے بعد شام بھی ڈھل گئی تھی۔ عبیدہ کی طبیعت بگڑنا شروع ہو گئی اور مویم جو اپنا سامان بھی پیک کر چکی تھی۔ تاج محل کی ادھوری تعمیر کے بارے میں سوید کو سب کچھ بتاتے ہوئے بولیں۔

"یہ گھر موی کی زندگی میں بہت اہمیت رکھتا ہے سوید بھائی اسی لیے اس کی طبیعت اتنی خراب ہوئی آپ دعا کیجیے اسے سکون کی زندگی تو نصیب نہیں ہوئی سکون کی موت ہی نصیب ہو جائے۔" وہ از حد آزرہ تھی۔ سوید گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

رات خاصی تاخیر سے وہ گھر واپس لوٹا تو چونکہ کیدار سے حالات کا پتا چلا۔ عبیدہ کی طبیعت بگڑ گئی تھی اور راحیلہ بی اس سے رابطے کی تمام تر کوشش کے بعد ناکام ہو کر آگئی تھی اسے باہر نکلنے لے گئی تھیں۔ سوید کے پاس تلے سے زمین نکلی تھی، تھکن سے چور اس نے چونکہ کیدار سے باہر نکلنا اور فوراً گاڑی نکال لی۔ عبیدہ ابھی لیبر روم سے باہر تھی ڈاکٹرز کے مطابق اس کی ڈیوری بغیر مہر آپریشن کے ممکن نہیں تھی۔ وہ رو رہی تھی جب سوید آزر اس کے پاس پہنچا۔

"بیہ۔۔۔ یہ ایم سوری میں ایک مسئلے میں پھنس گیا تھا سیل کے سگنل بھی کام نہ کر رہے تھے تم ٹھیک ہو نا۔"

"ابھی تو ٹھیک ہے مگر ڈاکٹرز نے ڈیوری کے لیے مہر آپریشن کا کہا ہے۔" راحیلہ بی کے لہجے میں ہلکی سی قفلی تھی۔ وہ بھی پریشان ہو گیا۔

"لیکن۔۔۔ اس سے پہلے تو ڈاکٹرز سب ٹھیک ہے کہ رپورٹ دیتے رہے ہیں۔"

"ڈاکٹرز کا کیا ہے۔ جب چاہیں سیاستدانوں کی طرح اپنا بیان بدل لیں تمہارے پیٹا شمر سے باہر ہیں میں اکیلی عورت کیا کیا کروں۔"

"ایم سوری ماما۔ میں واقعی ایک مسئلے میں

بچھڑ گیا تھا۔ مگر نہ آپ تو جانتی ہیں میری یہی میں میری جان ہے۔

عبیدہ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے اس نے پھر اسے اپنی محبت کا یقین دلایا تھا۔ ابھی ڈاکٹر نے آپریشن کا اعلان کر دیا۔

”بیہ۔۔۔ پلینز کوئی ٹینشن مت لینا۔ اللہ ہے تا ہمارے ساتھ وہ سب بستر کرے گا جب تک میں زندہ ہوں میری بیہ کو معمولی سی تکلیف بھی نہیں چھو سکتی میں نہیں نہیں ہوں میں جلدی سے جاؤ اور ہمارا بے بی لے آؤ۔“ لیبر روم سے باہر وہ اسے حوصلہ دیتا رہا تھا اس پر اپنا بے تحاشا پیار نہا رہا تھا اسی پل عبیدہ نے لب ٹھوٹے تھے۔

”سوید ایم سوری میں نے تمہیں بہت تنگ کیا ہے تمہیں پونے کی حد تک چاہنے کے باوجود بڑے امتحان لیے ہیں تم سے آج امتحان دینے کی باری میری ہے تم مجھے معاف کر دیتے میں نے“ میں نے تمہیں دل آویز سے دور رکھا اپنے اللہ کی گنگناہ ہوئی۔ اپنے چھوٹے طرف سے مجبور اس کے احکامات کی نافرمانی کی۔ وہ وہ ہر چیز پر قادر ہے آؤ۔۔۔ وہ نوازنا بھی جانتا ہے اور لینا بھی۔ اگر اگر میں واپس نہ آسکی تو تو پمیز۔۔۔

”چپ کر جاؤ بیہ۔۔۔ نہیں تو میرا دل پھٹ جائے گا میں نے گمانا تمہیں کچھ نہیں ہو گا تم میری زندگی ہو۔۔۔ میرے لیے جیو گی۔۔۔“ اس پر جھکا اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں کی مضبوط گرفت میں لیے وہ اسے پیار کر رہا تھا۔

عبیدہ پر سکون سی کیوں پر بھی کسی سی مسکن سجائے لیبر روم میں چلی گئی سوید آؤ اس کے دل آویز جعفری کا درد یہ خولی سمجھ سکتا تھا مگر اسے اس پر غصہ آ رہا تھا۔ نہ اس کی حالت بگڑتی نہ وہ اتنی دیر تک اپنی عبیدہ سے دور رہتا۔ اس کے لب مسلسل درد و پاک کا درد کر رہے تھے۔

اس نے ڈاکٹر سے کہہ دیا تھا کہ وہ انہیں منہ مانگی رقم ادا کرے گا مگر اس کی بیوی کو کچھ نہیں ہونا

چاہیے۔ تقریباً تین گھنٹے کے بعد آپریشن روم کا دروازہ کھلا تھا اور اسے صحت مند بیٹے کی ولادت کے ساتھ ساتھ بیوی کی زندگی کی نوید ملی تھی۔ اللہ رب العزت کے حضور مانگی گئی اس کی دعا میں رد میں ہوئی تھیں۔ وہ خوش تھا اتنا خوش کہ ہاسپٹل کے پورے غلے کو اس نے پیسوں سے خوش کر دیا تھا۔

عبیدہ کمرے میں شفٹ ہونے کے بعد ہوش میں آئی تو اس کی خوشی کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں تھا گو جسم ابھی درد کے حصار میں تھا مگر وہ اپنے بچے کو فوری فیڈ کروانے کی خواہشمند تھی۔ راحیلہ لی کے پاؤں مارے خوشی کے زمین پر نہ ٹپکتے تھے جانے کیوں اس موقع پر ان کی آنکھیں پھر سے فضا میں کود کر کے ابیدہ ہو گئی تھیں۔

”سوید اللہ رب العزت نے ہم پر بڑا کرم کیا ہے میرے بیٹے کا وارث دنیا میں آگیا بس اب یہاں سے فارغ ہو کر تم پہلا کام اس لڑکی کو طلاق دینے کا کرو گے جو نا چاہتے ہوئے بھی ہماری پر سکون زندگی میں کھس گئی ہے۔“ راحیلہ لی کا اشارہ دل آویز کی طرف تھا۔ سوید کی نگاہ عبیدہ کی نگاہ سے ملے اور پھر فوراً جھٹک گئی۔ ”ٹھیک ہے امی میرے بیٹے کو دیکھیں ایک ایک نقش میرا چرایا ہے اس نے۔“

”ہوں اس میں تو کوئی شک نہیں ہو کو گھر کب تک لے جائیں گے۔“

”آج ہی لے چلتے ہیں۔ میں اپنی بیہ کو مزید یہاں اس بستر پر نہیں دیکھ سکتا۔“ پر شوق نگاہوں سے اسے دیکھتا ہوا وہ اٹھا اور ڈاکٹر سے بات کرنے کے لیے کمرے سے باہر نکل گیا۔ ابھی راحیلہ لی عبیدہ کے قریب آئی تھیں۔

”عبیدہ سب ٹھیک ہے ناشی۔“

”ہوں بس درد بہت ہو رہا ہے اور ٹانگیں بھی سن سی محسوس ہو رہی ہیں۔“

”کمزوری ہے نا چلو میں دبا دیتی ہوں۔“

”نہیں۔“ وہ کچھ پریشان سی تھی۔ آپریشن کے بعد سے بلڈنگ ایک منٹ کے لیے بھی نہیں رکی تھی

اور یہ بات اس نے سوید کو بتائی تھی۔

”میں ڈاکٹر سے بات کرتا ہوں تم ٹینشن مت لو۔“ اپنائیت سے اس کا ہاتھ تھپتھپاتا کر رہا مگر وہ اسے باہر نکل گیا تھا۔ ڈاکٹر فرزین نے اس کی شکایت پر عبیدہ کا چیک اپ کیا تو ٹھیک گئی۔

”سوری مسٹر سوید ہمیں آپ کی وائف کا دوبارہ آپریشن کرنا پڑے گا“ میرا خیال ہے ڈاکٹر ناہیدہ دتواری سے اپنا فرض انجام نہیں دے سکیں فوری چار بول خون کے انتظام کیجیے پلینز۔“ ڈاکٹر فرزین اس کے ایک قریبی دوست کی بھابی تھیں، ابھی انہوں نے وہ بات بتادی تھی جو عموماً ”انسانیت کے یہ سبھا“ اپنی غلطیاں اور گناہ چھپانے کے لیے اپنی بے احتیاطی کا شکار ہونے والے مریضوں کو کبھی بتانے کا رسک مول نہیں لیتے سوید کے چہرے کی ہوائیاں ایک مرتبہ پھراڑی تھیں۔

آپریشن کے دوران ڈاکٹر ناہیدہ نے فوراً اسی لاپرواہی کے باعث غلط آنت کاٹ کر عبیدہ کی زندگی کو خطرے سے دوچار کر دیا تھا جس کا پتا انہیں تیسرے روز لگا تھا جب عبیدہ کے اور جسے جسم کا خون بہہ گیا تھا۔ راحیلہ لی، دل آویز جعفری کو سوید کی زندگی سے بے دخل کرنا چاہتی تھیں مگر کاتب تقدیر نے اس سے قبل ہی ممانی اپنی رضا سے ترتیب دے ڈالی تھی۔ سوید خون کا انتظام کر رہا تھا اور ابھر۔ دوبارہ آپریشن کے دوران عبیدہ زندگی کی بازی ہار گئی۔

ملک میں روزانہ ڈاکٹر کی لاپرواہی کے باعث پیش آنے والی حادثات میں وہ بھی ایک معمولی سا حادثہ تھا جس سے کہیں کسی ملکی نظام میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا مگر۔۔۔ اس ایک حادثے نے کسی ایک شخص سے اس کے زندہ رہنے کا مقصد ہی چھین لیا تھا۔ نہ کہیں کوئی آسمان پہنا نہ صدائے احتجاج بلند ہوئی اور سوید کی بیہ اپنے سارے ارمان دل میں لیے اسے اپنی محبت کی نشانی دے کر ہیٹ کے لیے ابدی خند ہو گئی۔ سوید کہتے ہی دنوں تک چوہیں گھٹنے کمرے میں بند پڑا رہا تھا۔ ڈاکٹر ناہیدہ کے خلاف اس نے ایف آئی آر نہ کر کے اسے

عبرت ناگ سزا بھی دلوائی تھی مگر اس کے باوجود وہ دل جو پھٹ چکا تھا دوبارہ کسی طور نہ سل سکا۔ راحیلہ لی اس اچانک حادثے سے الگ بستی ہو کر رہ گئی تھیں۔ ایسے میں دل آویز جعفری نے سوید آؤ کے بیٹے کو سنبھالا تھا۔ زمانے کے سرو و کرم سے بے نیاز وہ نیم پاگل سی لڑکی اس ننھے کوئل سے پھول کو روکتے دیکھ کر تڑپ اٹھی تھی سوید اس روز درد سے بچتے سر سے مجبور ہو کر کمرے سے باہر نکلا تو اپنے بیٹے کو اس کم گو سی لڑکی کی آغوش میں سکون سے سوتے دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ دل آویز نے ہلکی سی آہٹ پر سر اٹھا کر دیکھا وہ سرخ آنکھوں اور بھیکے ہوئے چہرے کے ساتھ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”آؤ۔“ اس کے لب۔۔۔ ہلے تھے سوید آؤ کے اندر کوئی سسکا اٹھا۔

”ہاں میں آؤ رہی ہوں وہ آؤ جو مرد کا ہے۔“ دل آویز اس کے قریب آئی تھی اور پھر بہت اپنائیت سے اس نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تھا۔

”آؤ میں سلا دوں۔“ اس نے آفر کی تھی۔ سوید جو بے سکونی سے تنگ آ چکا تھا اس کی آفر پر آنسو متے ہوئے پلکیں موند گیا۔ عبیدہ کے بعد اس رات پہلی بار وہ بہت پر سکون ہو کر سویا تھا دل آویز کی آغوش کے لمس نے اسے ایک عجیب سے سرو سے متعارف کروایا تھا۔ جبکہ وہ چپ چاپ بے آواز دل ہی دل میں روتی رہی

سوید آؤ کی آنکھ گہری خند سے کھلی تھی۔ اس کا دوسرا ہاتھ اس کے سینے سے لگا کر کی خند سو رہا تھا۔ مگر دل آویز اپنی جگہ پر نہیں تھی وہ اٹھا تھا اور بستر چھوڑ کر بیڈ روم سے ملحقہ کمرے کی جانب چلا آیا تھا۔ جہاں اس کی توقع کے عین مطابق سلا سے کپڑوں میں ملبوس دل آویز جعفری خاموش کھڑی ڈرا سا سر اٹھائے اوپر آسمان کو دیکھ رہی تھی وہ گہری سانس بھرتا آگے بڑھا اور چپکے سے اس کے پسٹوں میں جا کھڑا ہوا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر ویو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹخ
- ☆ ہر کتاب کا الگ سلیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریٹخ
- ☆ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

تھا۔ ”صحیح کہتی ہو تم میں خود بھی سوچتا ہوں تو خود سے شرمندگی ہوتی ہے کہ میں اس کے بعد زندہ کیوں رہا مگر کیوں نہیں گیا اس کے ساتھ مگر کیا کروں کوئی خود کش حملہ کوئی بم دھماکہ کوئی کار ایکسیڈنٹ مجھے ٹھکنا ہی نہیں۔“ وہ اندر سے اب بھی زخمی تھا۔ دل آویز ترپ کر رہی تھی۔

”ایم سوری آذر میرا کہنے کا وہ مطلب نہیں تھا پچھلے دو سال میں جیسے ہم ایک دوسرے کے قریب آئے ہیں جیسے ہم نے تقدیر کے لکھے پر مہر کرتے ہوئے ایک دوسرے کو سمجھا ہے وہ میں ہی جانتی ہوں، بہت ناز اٹھائے ہیں پچھلے دو سال میں میں نے آپ کے اپنا آذر سمجھ کر بہت خیال رکھا ہے آپ کا اور آپ نے بنا مجھ پر اور میری دیوانگی پر ترس کھائے آذر ایسی بات پر برہم ہو کر بے قصور بے حساب تھپڑ مارے ہیں دو سال لگ گئے مجھے اس حقیقت کا یقین کرنے میں کہ میں جسے اپنا آذر عباس سمجھ رہی ہوں وہ آذر عباس نہیں ہے وہ صرف سویڈ آذر ہے عبیدہ کا سویڈ آذر مجھے محبوب کے ساتھ ساتھ شوہر کا ساتھ بھی بنا ہوا ہی ملا اور اب جبکہ ہمیں ایک ہی دکھ میں جیتے ہوئے اڑھائی سال ہو گئے ہیں میں یہ جان گئی ہوں ہمارے لیے اپنے ماضی کو بیکس فراموش کر دینا ممکن نہیں لیکن اگر اسی وجہ سے جینا نصیب ٹھہرا تو کیوں نارب کی رضامندی راضی ہو کر میں آپ کے لیے آپ کی عبیدہ بن جاؤں اور آپ آپ میرے لیے میرے آذر۔“ وہ سنجیدہ تھی آذر نے سر ہڈی کی پٹی سے نکادیا۔ ”سوچاؤ دل گوڑے مجھے نیند آرہی ہے۔“

”مگر مجھے نیند نہیں آرہی۔“ پچھلے کئی سالوں سے اس کی آواز پھر بھرائی تھی۔ سویڈ آذر خاموش لیٹا رہا۔

عبیدہ کی رحلت کے بعد اس لڑکی نے جیسے اس کی بکھری ذات کو سمیٹا تھا وہ واقعی اس کا معترف تھا اس نے نہ صرف عبیدہ کی نفرت سہی تھی بلکہ اس کے اور عبیدہ کے بیٹے کے لیے اپنا غم بھی بھول گئی تھی۔

”دل آویز۔“ بھرپور محبت کے ساتھ بہت قریب سے بپار اٹھا اس نے وہ اس کی پکار پر چونک کر پلٹی۔ ”اب بھی اس ستارے کو رات میں اٹھ اٹھ کر تلاش کرتی ہو پاگل۔“

”نن نہیں۔“ وہ ذرا سی نموس ہوئی تھی۔ پھر سر جھکاتے ہوئے غم لہجے میں بولی۔

”وہ ستارہ جسے دیکھنے کی میں عادی تھی وہ تو کب کا ٹوٹ چکا۔“ بنگ جھپکنے کے ساتھ ہی اس کی آنکھ سے ایک آنسو ٹوٹ کر گر اٹھا۔ سویڈ آذر نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے دھار میں لے لیا۔

”پھر یوں گری نیند سے اٹھ کر رہاں کے تلاش کر رہی ہو؟“ اس کا لہجہ گھبرایا ہوا تھا۔ دل آویز اس کے مضبوط بازو پر سر نکا کر سکون سے پٹکیں موند گئی۔

”ایک نئے ستارے کو آذر۔ جس کی روشنی کے لیے اس ٹوٹے ہوئے ستارے نے قربانی دی تھی۔“

اس کے لہجے کی نئی سویڈ آذر کا دل جکڑ گئی تھی۔ اس نے ذرا سی گردن کھما کر ایک نظر سامنے لگے والی کلاک پر ڈالی، جہاں رات کے بارہ بجنے میں کچھ ہی سیکنڈ بقیہ تھے۔

”دل آویز۔“ اس بار اس کی پکار میں زیادہ محبت تھی۔ وہ آہستہ سے اس کے بازو سے سرائٹا گئی۔

”ہوں۔“

”ابھی برتھ ڈے نویو۔“ وہ چونکی تھی اور حیرانی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

”آپ کو کیسے یاد رہا کہ آج۔۔۔“

”یاد رہتا نہیں اچھی لڑکی۔ یاد رکھنا پڑتا ہے۔“

”اچھا تو پھر پچھلے سال یاد کیوں نہیں رکھا؟“ اس نے گھڑکے کیا تھا۔ وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

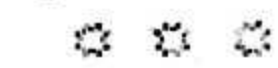
”پچھلے سال میں آذر کب تھا دل میں پچھلے سال تو میں سویڈ تھا عبیدہ کا سویڈ۔“

”ہوں آپ مولوگ بڑے بے وفا ہوتے ہیں فقط چند دنوں میں اس لڑکی کو بھی بھول جاتے ہیں جو آپ کی خوشی کے لیے اپنی جان پر کھیل جاتی ہے۔“ اس کا مقصد عبیدہ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا مگر وہ ہرٹ ہو گیا

وقت کے ساتھ ساتھ اس کا پائل بن بھی جاتا رہا تھا۔ آذر عباس کی ذات سے اس کی دیوانگی میں بھی کی آتی مگر بھی ہر وہ کہ ہر حقیقت سے بے نیاز ہو کر اس نے اپنی زندگی کا محور صرف ننھے سعد کو بنالیا تھا۔ جو اس ماں کا بیٹا تھا۔ جسے اس لڑکی سے نفرت تھی مگر پھر بھی وہ اپنی ذات کو پس پشت ڈالنے کی بجائے اس کی طرح اسے پال رہی تھی۔ لیوں پر خاموشی کا قفل لگائے، بنا کسی واہ واہ کی تمنا کیے اس نے

راہیل بی جیسی پھر عورت کا دل بھی جیت لیا تھا۔ پورے دو سال بعد سوید آذر کو اپنی زندگی میں اس کی اہمیت کا احساس ہوا تھا۔ عبیدہ نے ہاسپٹل میں آپریشن سے پہلے جو چند باتیں اس سے کی تھیں۔ وہ باتیں اب اس کے اندر نئے احساسات کو جنم دے رہی تھیں۔ دل کو بڑھتی جھڑی نے اس سے پیچھے دو سال کے کسی لمحے کا حساب نہیں لیا تھا مگر اب وہ خود کو تعلق نبھانے کی بجائے عشق کو مضبوط بنانے کے لیے تیار کرتے ہوئے اپنا احتساب کر رہا تھا تو دل آویز نامی اس لڑکی کے ہمت سے قرض اس پر واجب ہو رہے تھے۔

وہ بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔ جبکہ وہ بند کے ایک کونے پر بھی ہمت ادا سے پلکیں موند گئی تھی!



اُمیرہ جان جاؤ تم کوئی کیسے اجڑتا ہے
کوئی کیسے بکھرتا ہے

تو میرے پاس آنا تم میری بھر پوری آنکھوں میں
چلتے خواب کو تمکنا کن کا مریخ سننا
اگر ایسا نہیں ممکن تو میری زندگی کی ڈائری کو کھول
کر دھنا

کہ اس کے ہر ورق پر آنسوؤں سے مات لکھی ہے
جو تم سے کہہ نہیں دیتی وہی ہر بات لکھی ہے
تمہاری چاہتوں کے نام اپنی ذات لکھی ہے
اُمیرہ ڈائری پڑھ کر بھی تم انجان رہتے ہو
تو اس کا بے بسی مطلب

میری سب التجا نہیں بس ہو اوس میں معلق ہیں
ابھی کچھ وقت باقی ہے بدل جاؤ پھل جاؤ
کہیں ایسا نہ ہو یہ وقت ہاتھوں سے نکل جائے
ہماری آرزو میں اپنا رستہ ہی بدل جائیں
وہ کمرے میں نہیں تھی مگر اس کی ڈائری ضرور سوید
کے ہاتھوں میں تھی جس نے بے وار ہوتے ہی اسے
اپنے کاموں میں الجھا کر رکھ دیا تھا۔ موی کی ڈائری میں
تحریر یہ تازہ لہجہ بار بار پڑھنے کے بعد مبہم سا مسکراتے
ہوئے وہ آئینے کے سامنے آیا اور اپنی تیاری کو قائل
فج دینے لگا۔

"آپ کہیں جا رہے ہیں؟" موی ہانپتا لے کر
کمرے میں آئی تو پوچھ بیٹھی۔

"ہوں، بہت ضروری کام ہے تم ایسا کرو میری واپسی
تک شام میں اچھی طرح تیار ہو جانا، آج تمہاری
سالگرہ کی خوشی میں بہت زبردست سربراہی دینے والا
ہوں میں تمہیں۔"

"لیکن یہ ہانپتا۔"

"یہ تم کوئی اور چلو شام میں ہاتھوں کا باغ ہے
کے کان پر ہلکی سی چٹکی لیجے ہوئے وہ اپنے بچے کو جک
کر تیار کرنا کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ موی گھر کے
کام کچ سے فارغ ہو کر ابھی اپنے بیٹے کو تیار کر رہی
تھی جب وہ واپس چلا آیا۔

"تم ابھی تیار نہیں ہوئیں؟"

"نہیں وہ میں۔"

"بس کوئی وضاحت نہیں۔" وہ روٹھ کر اپنے بند
دوم کی طرف برہم تھا جب وہ پریشان سی پیچھے ہٹ گئی۔

"سوید میری بات سنیں میں اصل میں آپ ہی کا
انتظار کر رہی تھی، آپ سے ڈریس پسند کروانا تھا۔"

اپنی پریشانی اور روانی میں وہ جان ہی نہ سکی کہ اس نے
کیا کہا ہے۔ سوید خوشگوار حیرت سے پیچھے ہٹا۔

"کیا کہا پھر سے کتنا ذرا پلیز۔"

"مم میں تیار ہو کر آتی ہوں۔" گھبرا کر کہتی وہ فوراً
کمرے سے بھاگ گئی تھی۔

جگہ پھٹکے کامدالے کپڑوں میں ہلکی پھلکی تیار ہو کر

جس وقت سوید کی ہدایت پر وہ باہر گاڑی کی طرف آئی۔
سوید سیل فون پر کسی سے باتوں میں مصروف تھا۔ دل
آویز کے گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے فون آف کر دیا
"کس کا فون تھا؟"

"میری ایک دوست کا بہت پسند کرتی ہے مجھے سوچا
چلو آج تم سے بھی ملواؤں۔" اس کی آنکھوں میں
شرارت تھی۔ دل آویز کے لبوں کو چپ لگ گئی۔
"آؤ۔" تقریباً بیس منٹ بعد گاڑی ایک جھٹکے
سے رکی تو سوید کی آواز پر اس نے سر اٹھایا۔ مگر یہ کیا
گاڑی سے قدم باہر رکھتے ہی اس کا جسم جیسے پتھر ہو گیا
تھا۔

"یہ یہ آذر عباس۔"

"ہوں یہ اسی کا تاج محل ہے وہ تاج محل جس سے
اس کے ہزاروں خواب جڑے تھے مگر بے رحم موت
نے اسے اتنی مہلت ہی نہ دی کہ وہ اس خوابوں کے
گھر کو تکمیل تک پہنچا سکتا۔ مجھے مریم نے اس کے
بارے میں بتایا تھا، اسی سے یہ بھی پتا چلا کہ یہ محل
میری موی کے نام ہے، اسی لیے صرف گور صرف
تمہاری خوشی کی خاطر میں نے اس ادھوری عمارت کو
آذر کی اسٹگوں اور خوابوں کے عین مطابق مکمل کروا
لیا ہے اور اب۔۔۔ میری موی گھڑیا اسی محل میں رہے
گی کیوں ہے ناشاندہ ارگفت اور سربراہی۔" وہ مسرور
تھا۔ موی وہیں کھڑے کھڑے رو پڑی۔

"ارے یہ کیا کر رہی ہو ابھی کوئی بات سے گزرے
گاتو سمجھے گا میں اتنی خوب صورت لڑکی کد نہ لپ کر لایا
ہوں اندر چلو پھر جوں چاہے کر لیتا۔" وہ لپک کر پاس
آیا تھا جبکہ اس کی بانہوں میں مقید اس کا بیٹا بھی ہمک
کر موی کی طرف آنا چاہ رہا تھا۔ وہ سوید سے بچے کو لے
کر چپ چاپ اندر بڑھ آئی، تبھی وہ اس کے ساتھ
ساتھ چلتے ہوئے ہوتا تھا۔

"کل باں اور بابا بھی شہر آ رہے ہیں اور تن، آج
رات میں کسی بھی وقت عقلی انگل، آئی اور مریم کی
آمد بھی متوقع ہے سب ہمیں آئیں گے تم سے۔"

ہاتھ کرنے کے لیے۔

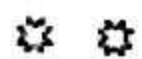
"مجھ سے دو دو ہاتھ۔ کیوں؟" وہ بولی نہیں تھی
مگر اس نے ابھٹکن آمیز نگاہوں سے سوید کو دیکھا ضرور
تھا وہ اس کے ساتھ چلتے چلتے رک کر مسکرا دیا۔

"پچھلے دو سالوں میں میری سالگرہ پر تم نے مجھے
سوائے ایک پیالی چائے کے اور کچھ بھی نہیں دیا ہے،
ایک کیوٹ سی پیاری سی بیٹی بھی نہیں دی تو دو دو ہاتھ
کرنا تو فرض ہونا ناں پر۔" وہ اب پر شوق نگاہوں سے
اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ موی کا دل زور سے دھڑک
اٹھا۔

"چلو بیس ایک۔" کانٹے ہیں پھر میں تم سے اپنی پسند
کی ٹریٹ لوں گا اس کے بعد پھر اپنے ہاتھوں سے وہ
نیکلس پستانوں کا جو سعد کی پیدائش پر بڑی چاہ سے
کسی اور کے لیے خریدا تھا اور پھر مہمانوں کو لینے
ایئر پورٹ جائیں گے پھر اس کے بعد۔" موی کا ہاتھ
تھامے چہو اس کے چہرے کے قریب کیے وہ اسے اپنی
پلاٹنگ بتا رہا تھا اور وہ کانپ رہی تھی، اسراٹھا کر سوید کی
نگاہوں میں دیکھنا اس کے لیے دشوار ہو گیا تھا۔

"جید م۔۔۔ میں۔" ذرا سی ہمت کرتے ہوئے
اس کے لبوں نے ہلکی سی جنبش کرنے کی کوشش کی
تھی۔ جب سوید نے اپنا ہاتھ اس کے ہونٹوں پر رکھ
دیا۔

"اب نہیں موی۔ کوئی ایکسکووز کوئی بہانہ
نہیں۔" وہ اپنا کنٹرول کھو رہا تھا۔ موی گھبرا کر سر سری
سی ایک نگاہ اس پر ڈالتی، سر جھکا گئی کہ اب واقعی فرار
کی ساری راہیں مسدود ہو چکی تھیں۔ وہ تاج محل
جہاں آذر عباس کے خواب دفن تھے، اسی تاج محل
میں ایک نئی زندگی اپنے نئے خوابوں کے ساتھ اس کی
منتظر تھی اور اسے اس بار خوابوں کی انگلی تھام کر ان
کے پیچھے چلنا تھا۔



PDF
FIAZ AHMED
189